

3033

19

بلاغ التبرک

علامہ شبیر احمد عثمانی رومہ

مجلد اول مسائل جلیل
رقم ۱
مکتبہ اسلامیہ پاکستان
لاہور

265

ادارہ اسلامیات لاہور

السر کتاب و حکمت آیتنا نکر فصلت
الراء یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اسکی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں

انجاز القرآن

باضافہ رسالہ

3033

۱: الروح فی القرآن
۲: المفراج فی القرآن

انتالیفات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی۔ لاہور



68636

اشاعت اول: دسمبر ۱۹۵۷ء
ناشر: ادارہ اسلامیات لاہور
طباعت: تجارت پرنٹرز لاہور
قیمت: ۲/۵۰

ملنے کے پتے

86136

ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی- لاہور
ادارۃ المعارف - ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی
مکتبہ دارالعلوم - کراچی ۱۲
دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی



عرض ناشر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵ — ۱۹۷۹ء) برصغیر کی ان چند نامور ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کی نمایاں ملی علمی، سیاسی اور عظیم دینی خدمات، روشنی کے بینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور وہیں ایک عرصہ تک تفسیر و حدیث کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ قیام پاکستان کی تحریک میں نمایاں خدمات انجام دیں، اور پاکستان بننے کے بعد اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے آخر العمر تک مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔ حضرت علامہ دینی علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے اور قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عقلی علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، تفسیر عثمانی، فتح الملہم اور العقل و نقل اور مولانا کی دیگر تصانیف سے ان کے تدبر، غور و فکر اور علم کی گہرائی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ زبرد نظر رسالہ "اعجاز القرآن" اپنے موضوع پر حضرت علامہ کی بہترین تصنیف ہے جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ مزید افادہ کے لئے رسالہ کے آخر میں حضرت علامہ کے دو اور رسالوں "الروح فی القرآن" اور "المعراج فی القرآن" کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین حضرات اس پیش کش کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

والسلام

ناشرین

ابناء محمد زکی

فہرست مضامین اعجاز القرآن

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۴	وحی کی تعریف اور اسکی ضرورت	۶	تمہید
۳۵	وحی سے انکار کرنے والوں کی مثال		"کیوں" کا سوال کہیں نہ کہیں ختم
۳۵	وحی کی طرف انسانی احتیاج	۸	کرنا ضروری ہے۔
۳۶	نزول وحی میں تدریج		"کیوں" کے بند کرنے میں ملحد
۳۹	وحی کا تدریجی و غیر تدریجی ہونا	۱۱	اور موحد کا فرق
۴۳	وحی میں فروعی تفاوت کی گنجائش	۱۲	"قدرت" اور "عادت" میں فرق
۴۴	نبوت خاصہ، اور نبوت عامہ	۱۲	"خرق عادت" کی حقیقت
۴۵	قرآن اور اس کی جامعیت	۱۵	آریہ کا مذہب
۴۶	نبی اُمّی اور اس کا اعجاز قرآنی	۱۷	عادت عامہ و خاصہ
۴۹	رسول اکرمؐ کا اُمّی ہونا		"معجزہ" خدا کا فعل اور اس کی
۵۲	قرآن نے کس طرح لوگوں کو عاجز کیا؟	۲۰	خاص عادت ہے
۵۳	خدائی کلام کے پرکھنے کی کسوٹی	۲۱	ہم نے خدا کو اسکے کاموں سے پہچانا ہے
۵۳	کیا قرآن اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے؟	۲۳	معجزہ کوئی فن نہیں
۵۷	فیضی کی بے نقط تفسیر اور سعدی کی گنتا	۲۷	معجزہ کے حالات
۶۰	قرآن کی طرف سے مقابلہ کا چیلنج	۳۰	معجزہ میں دعویٰ نبوت کی شرط
۶۳	قرآن کسی شخص کا کلام نہیں ہو سکتا	۳۱	معجزہ کا نبوت کی فعلی تصدیق ہونا
۶۷	خدائی کلام سے خدائی شان کا ظہور	۳۲	فعلی تصدیق کی مثال

۱۰۶	روح قرآنی کے متعلق چند نظریات	۴۸	قرآن کی فصاحت اور اہل عجم
	لفظ "امر" کی تشریح اور امر و خلق	۴۹	قرآن کا اصلی اعجاز
۱۰۸	کافر کا فرق	۷۲	کلام خداوندی سے رسالت کا ثبوت
۱۱۰	"خلق" کیا ہے؟	۷۵	نزول قرآن کی وقت نبی کی کیفیت
۱۱۰	"امر" کیا ہے؟	۷۶	تلاوت کی وقت رسول اکرم کی کیفیت
۱۱۱	روح کا مبد صفت کلام ہے	۷۷	قرآن کا اثر سامعین پر
۱۱۲	روح کا جسم لطیف ہونا		جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۱۱۳	خواب کی مثال	۸۲	کی اخلاقی و عقلی قوت
۱۱۳	روح حادث ہے اور اس کا مبد قدیم	۸۵	قرآن کریم کی حفاظت
۱۱۳	ظاہر اور منظر کے احکام کا فرق	۸۸	قرآن کریم کی تعلیم
۱۱۳	روح جو ہر ہے یا جسم لطیف	۸۹	قرآن میں صفات خداوندی کا ذکر
۱۱۵	روح کا بدن سے جدا ہونا	۹۲	قرآن کریم کی بنیظیر سلاست اور روانی
۱۱۶	روح کا ہر چیز میں ہونا		قرآن میں ایک مضمون دوسرے
		۹۳	مضمون سے مغلوب نہیں ہوتا
۱۱۹	المعراج فی القرآن	۹۳	قرآن میں غیبی خبریں
		۹۴	خاتمہ کلام
۱۱۹	اسرار اور معراج کا فرق	۹۴	
۱۲۰	جمہور امت کا عقیدہ	۱۰۱	الروح فی القرآن
۲۳	معراج پر شبہ اور اس کا حل	۱۰۲	روح سے متعلق قرآن حکیم کی آیات
۲۵	بیت المقدس لیجانے کی حکمت	۱۰۲	روح سے متعلق سوال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اعجاز القرآن

تسہید

الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَفَىٰ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِ الدِّينِ اصْطَفَىٰ

امایعہ

زمانہ کے حالات اس وقت مقتضی ہوئے کہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کے ایسی تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جنہیں اسلام کے عام اصول و قواعد کی تحقیق اور قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم اور اس کی عظمت شان ظاہر کر نیوالی حقائق زیادہ سے زیادہ واضح، معقول، اور دلنشین پیرایہ میں بیان کی جائیں اور طلبہ کی ایک جماعت کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ یہاں سے جا کر اپنے ناواقف یا کم علم بھائیوں کے ایمان کی حفاظت اور منکرین یا مشککین پر خدا کی حجت تمام کر سکیں، اسی نیت سے اس ناچھرنے چنے روز ہوئے کہ ایک سلسلہ بیانات کا شروع کیا اور چونکہ کچھ عرصہ سے آریوں کے شور و غوغا نے ملکی سطح میں تلاطم اور اسلامی حلقوں میں حمایت حق کا ہیجان پیدا کر رکھا ہے۔ اس لئے ان بیانات میں خصوصیت سے آریہ سماج کے اصول و خیالات مرئی رہے ہیں۔ تمام مباحث سے پہلے میں نے مناسب خیال کیا کہ قرآن کریم کے اعجاز اور کلام الہی ہونیکے

متعلق ایک بسوط اور مفصل تقریر کر دی جائے۔ جس کے بعد ایک انصاف پرست اور طالب حق کے لئے یہ گنجائش باقی نہ رہے کہ وہ قرآن کریم کی عظمت و جلالت سے انکار کر سکے یا اس کی روشنی کے قبول کرنے سے روگردانی کرے۔ اس بحث کے ضمن میں اور بھی کئی مفید اور اہم بحثیں آگئی ہیں اور ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ اعجاز قرآن کی تحقیق اسی وقت تکمیل کو پہنچ سکتی تھی کہ اول اعجاز کی بحث ہو یعنی یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے اس کی ضرورت کیا ہے۔ اس کا وجود قطرة (یا نیچر) کے خلاف تو نہیں، وہ دلیل نبوت کس طرح بن جاتا ہے۔ اور معجزہ جیسے فعلی ہوتا ہے قولی بھی ہوتا ہے؛ پھر یہ بتلانا ہو گا کہ وحی کیا چیز ہے اس کی ضرورت بندوں کو کیا ہے، اس میں تدریج ہو سکتی ہے یا نہیں، قرآن جسے ہم سب سے آخری وحی الہی اور کلام ربانی مانتے ہیں۔ اس کو ہم کیوں معجزہ کہتے ہیں۔ اور کس طرح کلام الہی اور وحی ربانی ماننے پر مجبور ہوئے ہیں؛ غرض یہ مضمون جب اپنے نزدیک مکمل ہو گیا اور بقدر کفایت اس کے سب اطراف و جوانب روشنی میں آگئے تو بعض احباب کی قلمبند کی ہوئی یادداشتوں کو خاکسار نے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیا تاکہ غائبین کے حق میں بھی اس کا نفع عام ہو اور مضمون چھپ کر ضیاع سے محفوظ ہو جائے۔ آئندہ بھی اگر خدا نے توفیق دی تو یہی صورت اختیار کی جائے گی۔ جن لوگوں کو ان رسائل کے مطالعہ کا اتفاق ہو ان سے میری درخواست ہے کہ وہ رسالہ کو ایک تقریر کی صورت میں دیکھیں اور مہربانی فرما کر اول سے آخر تک پڑھ جائیں۔ کیونکہ مضمون کا پورا لطف اور فائدہ اس کے بغیر حاصل نہ ہو گا۔ بعض مضامین جو بہت ہی خشک فلسفیانہ

ہوتے ہیں خواہ ان کو کتنا ہی سہل عبارت میں ادا کیا جائے لیکن عام لوگوں کو ان کے پڑھنے میں پوری دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ ایسے معرکہ الآرا مسائل کی تحقیق میں ناظرین کو اس طرح کے بعض مضامین سے اکتانا نہیں چاہیے۔ بلکہ مؤلف کو ان کے ترک نہ کر سکنے میں معذور خیال کیجئے اور سہمت کر کے پوری کتا کو پڑھ جا کیے آخر لکھنے والے کی محنت سے تو پڑھنے والے کی محنت زیادہ نہ ہو گی۔ یہ ہی مضمون (اعجاز القرآن) جو آپ کے سامنے ہے اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کا ابتدائی حصہ کس قدر ضروری ہے جو کسی طرح حذف نہیں کیا جاسکتا تھا اور یہ کہ اس میں کتنے مشکل مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ چونکہ اس سلسلہ کا موضوع بحث اعجاز القرآن ہے اس لئے اولاً مجھے چند ایسے اصول مبادی کے طور پر بیان کرنا ضروری ہیں جو قرآن کی عظمت اور اعجاز کے سمجھنے میں مدد دینے والے ہوں۔ لہذا وہ اگرچہ آپ کے نزدیک فی الحال اصل مبحث سے بے تعلق ہوں مگر میں ان ہی سے اپنی تقریر کا آغاز کرتا ہوں۔ و با اللہ التوفیق

اصل اقل

”کیوں“ کا سوال کہیں نہ کہیں ختم کرنا ضروری ہے
 کمونات (سب جگت) میں جو جو واقعات و حوادث پیش آتے ہیں۔ ہر
 چیز پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا مگر ہر شخص کو ناچار ایک جگہ پہنچ کر یہ سوال
 ختم کرنا پڑے گا۔
 تشریح :- مثلاً لکڑی آگ میں ڈال دی اور آگ نے اس کو جلا دیا۔ تو سوال

ہو سکتا ہے کہ آگ نے اس کو کیوں جلا دیا؟ پانی آگ پر بہایا تو سوال ہو سکتا ہے کہ پانی نے آگ کو کیوں بجھا دیا؟ کسی نے زہر کھایا اور مر گیا تو سوال ہو سکتا ہے کہ زہر نے اس کو کیوں مارا؟ آم کے درخت پر صرف آم ہی کیوں لگتا ہے؟ یہ سوالات وہاں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جہاں آثار کا صدور ارادہ اور اختیار کے توسط سے نہ ہو جیسے آگ کا جلانا، زہر کا مار ڈالنا، آم کے درخت پر صرف آم ہی کا لگنا، آگ اور آم کے درخت اور زہر کے اختیار سے باہر ہے، لیکن اگر کہیں توسط ارادہ و اختیار بھی ہو، تو وہاں یہ سوال اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی کافر اسلام لے آئے یا مسلمان مرتد ہو جائے۔

والعیاذ باللہ منہ، تو سوال کر سکتے ہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ غرض کہ ہر چیز (کیوں) سوال کے تحت میں آ سکتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کہیں کیوں کا سلسلہ بند بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ آؤ اس کی تفتیش ہم کسی ملحد یا مادہ بدست کو سامنے رکھ کر کریں۔ مثلاً ایک مشنخص طاعون کی بیماری سے فوت ہوا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ طاعون کیوں ہوا؟ جواب یہی ملے گا کہ زہریلے جرثوم کے پھیلنے سے پھر ہم دریافت کریں گے کہ جرثوم کیوں پھیلے کہا جائے گا کہ آب و ہوا کی خرابی سے؟ بس ابھی یا ایک دو کیوں کا جواب دیکر کیوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور سنیے آگ کیوں جلاتی ہے، اس لئے کہ اس میں حرارت مفرطہ ہے۔ حرارت مفرطہ آگ میں کیوں ہے، آگے کیوں کا سلسلہ بند ہو گیا اور اگر ساری دنیا کے فلاسفہ اور حکما بھی جمع ہو جائیں گے۔ تو اس سے آگے کیوں کا جواب نہیں دے سکتے جو لوگ فاعل مختار کو چھوڑ کر صرف

مادہ کے قائل ہو گئے ہیں ان سے اور بھی ایک درجہ باقی دریاقت کر دینا اجزائے
 مادہ سے آفتاب بن گیا ان سے چاند کیوں نہیں بنا جن ذرات سے چاند متکون ہوا
 ان سے بجائے چاند کے سورج کا تکون کیوں نہیں ہوا۔ جن مواد سے تاروں کی
 کردی شکل ہستیاں موجود ہوئیں ان مواد سے سنگریزے کیوں نہیں بن گئے۔ جن
 اجزاء سے پاؤں کے تلوے بنائے گئے ان سے سر کی کھوپڑی کیوں نہ بنی؟ ہاتھی
 کی روح میں جو طاقت ہے کہ وہ بڑی بڑی قوی چیزوں کو مسل ڈالتا ہے وہ چوٹی
 روح میں کیوں نہ آئی، اور چوٹی کی روح جو ذرات سے اشارے سے صفحہ ہستی سے نصبت
 ہو جاتی ہے، اس قدر کمزور کیوں واقع ہوئی، شیر کی روح نے اس قدر قوت کیوں پائی
 کہ وہ بڑے بڑے عظیم الجثہ حیوانات کو چیر بھڑا کر ان کے پرچھے اڑا دیتا ہے مقلین
 صرف لوہے کو کیوں کھینچتا ہے۔ گھاس کے تنکوں کو کیوں نہیں کھینچتا، لوہا اس قدر
 بھاری اور روٹی اتنی ہلکی کیوں ہے۔ دقن علی ہذا۔ عرض کہ ارواح کی قوتوں اور مادہ
 کی استعدادوں اور خواص میں اس قدر تفاوت کیوں ہے۔ ان ہی چند مثالوں سے
 واضح ہو گیا کہ ہر چیز کی علت اور سبب کی تلاش اور کیوں کے جواب کا سلسلہ کوئی
 ہستی خواہ وہ خدا پرست ہو یا مادہ پرست ملحد ہو یا موحد زیادہ دور تک جا رہی نہیں
 رکھ سکتی بلکہ کسی نہ کسی درجہ پر یہ سلسلہ طوعاً و کرہاً خواہ مخواہ بند کرنا پڑے گا اور بند
 کرنے میں ملحد اور موحد دونوں برابر ہیں، البتہ فرق اگر ہے تو بند کرنے کے طریقہ میں
 ہے مادہ پرست سوالات مذکورہ کے جواب میں کہے گا کہ مادہ میں جیسی استعداد تھی
 ویسی صورت قبول کر لی جب یہ سوال کرو گے کہ مادہ میں استعداد کیوں مختلف تھی
 جواب یہ دیں گے کہ آگے سوال نہیں ہو سکتا آم کے درخت پر آم کے متعلق یہ منو

گے کہ اس کی صورت نوعیہ کا اقتضاء یہ ہے اسی طرح سنگھیا کا مہلک ہونا بھی اس کی صورت نوعیہ پر محمول ہے دیکھو بڑے بڑے دہریہ جب وہ بیوی کی استعداد اور مادہ کی قابلیت اور صورت نوعیہ کے اقتضاء پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے ان کی بلند پروازی رک گئی اسدیرح موجد کا حال ہے کہ وہ بھی ایک خاص حد پر پہنچ کر اپنی پرواز کو ختم کر دیتا ہے۔

کیوں کے بند کرنے میں ملحد اور موحّد کا فرق

البتہ اتنا فرق ہے کہ ملحد سے جب سوالات کرو گے تو مادہ، صورت نوعیہ مادہ کے خواص پر سوالات کو ختم کرے گا اور موحّد کہے گا کہ جو چیزیں جن خواص و آثار کیساتھ موجود ہیں اللہ جل جلالہ کے علم ازلی محیط میں ان کا اسی طرح ہونا مناسب تھا۔ اگر مادہ پرست کہے کہ اللہ کے علم محیط میں یہ ہی کیوں مناسب تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم نے مادہ کی استعداد کے سامنے سر جھکا دیا تو اس میں کیا عیب ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے علم کے سامنے سر جھکائیں؟ اگر تم صورت نوعیہ اور روح و مادہ کے سامنے سجدہ کر کے اور عاجز ہو کر سوالات کے سلسلہ کو بند کرنے کا حق رکھتے ہو تو ایک موجد کو کون روک سکتا ہے کہ وہ اپنے پیمانہ مہم کو تنگ اور قوت اور اک کو علم الہی کے رد پر و حقیر و ناتینر سمجھ کر اس خدائے قدوس و برتر کے سامنے سجدہ کرے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے جہاں تم نے سوال کا سلسلہ ختم کر دیا روح کی قوت اور مادہ کی استعداد پر وہاں میں کہوں گا کہ اس کو منتہی کر والہ اللہ جل جلالہ کے علم محیط

ازلی پر جس طرح مادہ اور روح کے خواص کو تم ازلی کہتے ہو جس میں ارادہ اور اختیار کو کوئی دخل نہیں، اسی طرح خیال کر لو کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط بھی ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل ملل کے نزدیک ازلی ہے، خدا کو یہ اختیار نہیں کہ وہ علم کو ایک منٹ کے لئے اپنے سے جدا کر کے جاہل رہ جائے (معاذ اللہ) خلاصہ یہ اختیار نہیں رکھتا کہ وہ اپنے کو خدا نہ رہنے دے۔

اور ہر چیز کی انتہا تیرے رب کی طرف سے

وَإِن إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۝

اس کے کاموں کی نسبت سوال نہیں کیا جا

لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ

سکتا ہاں بندوں سے باز پرس ہو سکتی ہے۔

هُمْ يُسْأَلُونَ ۝

اور تم کو تو صرف ایک خدا سا علم دیا گیا ہے۔

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝

پاک ہے تو اسے پروردگار، جس قدر تو نے

سُئِلْنَا لَا عَلَمَ لَنَا إِلَّا

بتلا دیا اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک

مَا عَلَّمْنَا إِيَّاكَ أَنْتَ

تو ہی ہے، جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

جب خدا تک سوال کا سلسلہ پہنچے، تو چاہئے

وَفِي الْمَحَدِيثِ الْمَصْحُومِ فَلَيْتَهُ

کہ آدمی رک جائے اور اللہ کی پناہ ڈھونڈے

وَالْيُسْتَعَذُّ بِاللَّهِ ۝

اصل دوم

قدرة اور عادت میں فرق، عادت کے مراتب، خرق

عادت کی حقیقت

جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کے وجود کے قائل ہیں ناچار ان کو تسلیم کرنا

پڑا ہے کہ اللہ کی ایک قدرت ہے اور ایک ارادہ اور ایک اس کی عادت

ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، قدرت اور عادت میں بسا اوقات التباس ہو جاتا ہے مثلاً عام طور پر ایسے امور کے متعلق جو سلسلہ اسباب و مسببات کے خلاف واقع ہوں کہدیا جاتا ہے کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے اور اہل الحاد اسی بہانہ سے بہت سے صحیح مسائل کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے یہ لوگ اس لفظ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اس وقت میرا دسٹے سخن دہریوں کی طرف نہیں آریوں کی طرف ہے اور آریہ بھی قانون قدرت کا لفظ بہت استعمال کیا کرتے ہیں لیکن خود بھی پرمشور، کورس و شکستمان (قادر مطلق) مانتے ہیں جیسا کہ ہم خدا کو قادر مطلق مانتے ہیں پس اگر وہ واقعی سر و شکستمان اور قادر مطلق ہے تو اس کی قدرت میں یقیناً یہ داخل ہے کہ سبب کو بدون مسبب کو بدون سبب کے پیدا کر دے۔ مثلاً آگ موجود ہو مگر نہ جلاوے یا کوئی چیز جل جاوے مگر آگ موجود نہ ہو یا مثلاً ہم قادر مطلق کی عادت یہ دیکھتے ہیں کہ بچہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے اور پھر تدریج نشوونما پاتا ہے چنانچہ کسی نے نہیں دیکھا ہو گا کہ کوئی جوان انسان آسمان سے اتر ہو یا زمین سے آگ آیا ہو مگر اس عادت مستمرہ کے خلاف ماں کے رحم اور نطفہ کے توسط کے بدون انسان کو پیدا کرنا بھی اس سر و شکستمان کی قدرت میں داخل ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ دلیل و نہار کی طرح یہ عالم بھی فنا ہو کر پیدا ہوتا رہتا ہے اور جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح عالم کا سلسلہ فنا و بقا کے بعد و بکرے جاری ہے

اور عالم کے فنا کے زمانے کو وہ پرے "کانہ مانہ" کہتے ہیں اور اس وقت میں ان کے خیال کے موافق سارا عالم فنا ہو جاتا ہے اور سب کچھ مٹ مٹا کر خدا کی ذات میں سما جاتا ہے اور جیسا کہ رگ وید میں تصریح ہے صرف پر بھم کی سامرتھ خدا کی قدرت باقی رہ جاتی ہے باقی سب کچھ نیست و نابود ہو جاتا ہے اور ایک مدت دراز تک اس بطرح عالم فنا میں پڑا رہتا ہے۔ اس کے بعد نئے سرے سے پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ اب دنیا کا جو دور چل رہا ہے اس کا حساب سوامی دیانند سے نہ معلوم کس بھی کھاتہ سے لگا کر یہ کہا ہے۔ کہ "ایک ارب چھیا نوے کروڑ کچھ لاکھ ہزار برس سے یہ دنیا موجود ہے اس سے پہلے غیر متناہی مرتبہ دنیا مٹی اور پیدا ہوتی چلی آئی ہے اور موجودہ دور بھی اپنے وقت پر جب خدا چاہے گا فنا ہو جائے گا، اس عقیدہ کا رد اس وقت بہت نہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جب دنیا پرے کے بعد نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے تو مختلف مخلوقات خصوصاً انسان کہاں سے آتے ہیں۔ سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ پرے کے بعد جو انسان پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش کی کیفیت متعارف طریقہ سے بالکل علیحدہ ہے یعنی ہزاروں انسان بغیر ماں باپ کے جو ان محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے بدوں متعارف سلسلہ اسباب طبعیہ کے بن جاتے ہیں، اب جو مذہب یہ کہتا ہے وہ مذہب قطعاً یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد سر و شکستہ کو اس ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جگر بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا اقتضار ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے الگ ہو کر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے بھی مجبور اور عاجز ٹھہرے۔

جب ان کے اعتراف کے مطابق پرلے کے بعد اس عادت مستمرہ کے برخلاف
غیر متناہی دفعہ ایسا ہو چکا ہے اور ہوتا رہے گا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو
خدا اب سے ایک ارب سال پہلے پرلے کے بعد قادر تھا کہ بدروں ماں باپ
کے انسان کو پیدا اور بد اسباب کے مسببات کو موجود کر دے اب اس کی قدرت
کو کس چیز نے سلب کر دیا کہ ایک یا دو ارب سال کے بعد ایسا نہ کر سکے، معلوم،
ہو کہ خرق عادت یعنی کبھی کبھی سلسلہ اسباب سے علیحدہ ہو کر محض وسیع قدرت
کے اظہار کے طور پر کوئی کام ایسا کرنا اس کی قدرت کے خلاف نہیں۔ ہاں
عادت اور معمول کے خلاف ہوگا، لہذا اس کو قانون عادت کے خلاف کہنا
صحیح ہو تو ہو مگر قانون قدرت کے خلاف قرار دینا اس لفظ کا غلط استعمال اور
مغالطہ دینے والی تعبیر ہے مثلاً اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق ابراہیم خلیل اللہ
کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ نہ جلے تو خدا کی اس عام عادت کے تو خلاف ہوا جو آگ
کے متعلق ہے کہ وہ جلاتے گا سبب ہے لیکن قدرت کے خلاف نہ ہوگا جس
نے اس میں یہ خاصہ احراق و دلیعت کیا ہے۔

آریوں کے چار رشتہوں کے علاوہ کسی اور سے خدا کا ہمکلام

ہونا قدرت کے خلاف نہیں البتہ عادت کے خلاف ہے

آریہ کہتے ہیں کہ ہر پرلے کے بعد چار ویدوں کا الہام چار معین اشخاص
کو ہوتا ہے جن کے نام بھی لکھے ہیں۔ وایو، اگنی، انگرا، ادیتہ کہا جاتا ہے کہ
یہ چار رشتی ہیں گو تاریخ ایسے ممتاز انسانوں کا کوئی پتہ نہیں دیتی اور نہ ان کی کوئی

سوانح بتلا سکتی ہے بلکہ ان کو چار انسان بنانا بھی سوامی دیانند کی کوشش کا نتیجہ ہے جو ان ہی کے دائرہ اثر تک محدود ہے دوسرے بڑے بڑے فرقے ہنود کے اس تشریح دوسری طرح پر کرتے ہیں تاہم مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں مجھے تو یہ کہنا ہے کہ آریہ سماج کے نزدیک ہر پرلے کے بعد ان ہی پانچ رشیوں پر چار ویدوں کا الہام جگ کی ابتدا میں ہوتا ہے بعد میں کوئی کتاب کسی پر نہیں اترتی اور ہر پرلے کے بعد وہی چار وید اترتے ہیں کہ جو پہلے اتر چکے ہیں ان میں بھی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان ہی چار رشیوں سے ابتدائے آفرینش میں کلام کرتا ہے اور کسی سے نہیں کرتا۔ گویا خدا کا بندوں سے ہم کلام ہونا اس کی عام عادت نہیں بلکہ خاص عادت ہے جو خاص زمانہ میں مخصوص بندوں کی نسبت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ خدا اس سے مجبور اور عاجز نہیں کہ اگر وہ چاہے تو کسی اور سے بھی کسی وقت کلام کر لے تو مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ خود آریوں کے اصول کے موافق بھی دو چیزیں الگ الگ ہوتیں ایک قدرت۔ اور ایک عادت۔ اور یہ کہ عادت کے خلاف کوئی کام کرنا بھی قدرت سے خارج نہیں ہے پس اسباب سے مسبب کا پیدا کرنا خدا کی عادت ہے اور بلا سبب کے مسبب بنا دینا قدرت کا کام ہے۔ اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کا بنا یا ہوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی بنائی ہوئی ہے اور اس لئے قدرت تو اسباب پر حاکم ہوگی لیکن اسباب معاذ اللہ قدرت کے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں ڈال سکتے قرآن کریم نے بھی قدرت اور عادت میں فرق کیا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا قُتِلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ
یہ تو اللہ کی قدرت اور ارادہ کا لغارت ہوا۔ اس عادت کا بیان سنئے۔
فرماتے ہیں۔

یہی فطرت انبیچرا ہے جس پر خدا نے لوگوں
کو پیدا کیا خدا کے (قانون، پیدائش
کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

خدا کی عادت میں تم ہرگز کوئی تبدیل و
تغییر نہ پاو گے۔

یہ خدا کی عادت ہے جو اپنے بندوں کے
متعلق پہلے سے چلی آتی ہے۔

فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ه

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ه
سُنَّتِ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ

فِي عِبَادِهِ ه

یہ غیر تبدیل سنت اللہ عادت اللہ ہے بس معلوم ہوا کہ عادت اور سنت
میں فرق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ عمامہ باندھنے کا
عادی ہے یا کوئی ہمیشہ چاول کھاتا ہے۔ یہ تو اس کی عادت ہوگی مگر
باوجود اس کے بھی وہ ٹوپی اور ٹھنڈے یا روٹی کھانے پر قادر ہے اسی کا نام
قدرت ہے ہر انسان اپنے اندر اس بات کو پاتا ہے مثلاً لڑکا اپنے
ماتوان باپ کو مار سکتا ہے (یہ اس کی قدرت ہے) مگر نہیں مارتا یہ اس
کی عادت ہے۔

عادت عامہ و خاصہ

ہاں عادت میں بھی تفصیل ہے ایک عادت عام غیر موقت اور مستمر

ہوتی ہے ایسی عادت سے ہر خاص و عام واقف ہو جاتا ہے اسی کو نقل کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک طالب علم مدرسہ میں داخل ہوا اور اساتذہ کی عادت و کچھ تو وہ یہاں سے جاکر اسی عادت کو نقل کرے گا جو درست قیام میں روزمرہ مشاہدہ کرتا رہا ہے دوسری عادت موقت یعنی خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اس کو عادت خاصہ کہنا چاہیے مثلاً کوئی ہمیشہ روٹی کھاتا ہے مگر عید کے روز ہمیشہ چارل کھایا کرتا ہے پس جس شخص نے اس کو عید کے روز چارل کھاتے نہ دیکھا ہو وہ کہیگا کہ چارل کھانا اس کی عادت نہیں مگر جس نے دس بیس مرتبہ عید کی عادت بھی دیکھی ہے وہ کہیگا کہ روٹی کی طرح چارل کھانا بھی اس کی عادت میں داخل ہے ایک عام مستمر عادت ہے دوسری خاص وقت و دنوں اپنے اپنے خیال اور تجربہ کے موافق درست کہتے ہیں۔ مگر دوسرے کا کہنا مطابق واقعہ ہے اس لئے کہ اس کو اس شخص کے تمام زمانے پر نظر ہے وہ جیسا عادت عامہ سے واقف ہے ویسا ہی عادت خاصہ سے بھی آگاہ ہے۔ زیاد رکھو جس کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی ایک فعل اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس کی عام عادت کے موخلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے مطابق اور موافق ہوتا ہے۔ کیونکہ خاص خاص اوقات اور خاص خاص مصلحتوں کے وقت عام عادت کے توسط کو چھوڑ کر محض قدرت سے خوارق اور معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عادت ہے مثلاً ایک آدمی کو ہم نہایت متمثل مزاج۔ جام الطبع سمجھتے ہیں کہ ہزار گالیاں سننے پر بھی غصہ نہیں آتا، مگر اس کی طبیعت میں یہ بھی ہے کہ مذہب پر اگر کوئی حملہ کر دے تو باوجود اس قدر پروہاری کے

غصہ سے بیتاب ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے کیا اس کی عادت نہیں سمجھی جاتی گی اللہ تعالیٰ کی عام عادت ہے کہ اسباب سے مسیبات کو پیدا کرتا ہے لیکن یہ بھی اس کی عادت ہے کہ جب اپنے مقربین (انبیاء کرام) کی تصدیق کرانا ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں پر وہ علامات ظاہر کرتا ہے جس سے لوگ سمجھیں کہ بیشک یہ اس کے مقربین اور متعدد خاص ہیں جن کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے وہ خلاف معمول چیزیں پیش کر کے ساری مخلوقات کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے عقل اور فطرۃ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ خدا اپنے خاص بندوں کے ساتھ معاملہ کرے جو دوسروں سے نہ کرے کیا ایک گاڑی کے مکھیا یا فہر دار کے کہنے سے والٹر سے وہ کام کر سکتا ہے جو کہ ایک صوبہ کے گورنر کے کہنے سے کرنا ہے؟ ماں، باپ، بیوی، احباب، اقارب، حکام، رعایا، عرض ہر ایک کے ساتھ انسان کا معاملہ اور اس کی عادت جدا گانہ ہوتی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہ حاکم ہے یہ محکوم ہے، اور یہ باپ ہے، اور یہ لاڈلا بیٹا ہے بسا اوقات جو بے تکلفی یا خلل طبع امور کا تحمل آدمی اپنے مخلصوں اور دوستوں کی رعایت سے کر لیتا ہے وہ ہرگز ساری دنیا کے دباڑے نہیں کر سکتا۔ ایک استاد کا خاص خاص شاگردوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ تمام طلبہ سے مستثنیٰ ہوتا ہے ان سب چیزوں میں عام عادت سے علیحدہ معاملہ کرنا ہی قرین قیاس اور عقل و فطرۃ کے موافق ہے تاکہ قریب کا قریب اور بعید کا بعید ہونا لوگوں پر واضح ہو جائے اس امر کو ملحوظ رکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ معجزہ فطرۃ کا مقتضا ہے اسکے مخالف کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ اگر معجزات ظاہر نہ ہوں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا۔

سفاہت ہوگی ع۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندگی

جو لوگ خدا کے یہاں وجیہ ہیں، اپنی جان، اپنی آبرو، متھیلی پر رکھ کر خدا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا ہی ان سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آج تمہارا ہی سب کی نجات میرے اتباع میں منحصر ہے ضرورت ہے کہ ان کی وجہ سے عام عادت سے بالاتر کارنامے خدا کی قدرت کے ظاہر ہوں جو کہ تمام دنیا کو اپنی نظر پیش کرنے سے تھکا دیں اور تمام مخلوق کو عاجز کر دیں یہی معنی ہیں معجزہ کے یاد رکھئے کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس کو نبی کا فعل سمجھنا سخت غلطی ہے۔

معجزہ خدا کا فعل اور اس کی خاص عادت

معجزہ قانون عادت عامہ کے خلاف اور عادت خاصہ کے موافق اللہ کا ایک فعل ہے جو کہ تمام مخلوق کو تھکا دینے اور عاجز کر دینے والا ہوتا ہے تاکہ تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مدعی نبوت کا وہ رتبہ تمام جہان پر واضح کر دے جو کہ اس کے یہاں اس کو حاصل ہے اور یہی حکمت کا اقتضا بھی ہے کیا میں اپنے بیٹے کے ساتھ جو عادت برتوں گا وہی ایک عامی آدمی کے ساتھ بھی کرؤں گا؟ نہیں۔ بلکہ جیسے تعلقات ہوتے ہیں ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ بھی جن کا جیسا تعلق ہو ویسا ہی ادھر سے معاملہ اور برتاؤ بھی ہو یہی معجزہ کی حقیقت ہے جس سے آج کل کے مادہ پرستوں کو اس قدر گھبرانے اور وحشت کھانی کی ضرورت نہیں۔

ہم نے خدا کو اس کے کاموں سے پہنچاتا ہے

اس کے بعد ہمیں سوچنا چاہئے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے ہم کو خدا کے

ماننے پر مجبور کیا؟

(جو اسباب) سویریات ظاہر ہے کہ جب ہم کو مکونات میں مختلف افعال
و آثار دیکھتے ہیں تو بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کو ہم کسی سبب کی طرف منسوب
کرتے ہیں چھت گری اور اس کے نیچے کوئی دب کر گیا۔ بجلی گری اور کوئی شخص
جل گیا اور بعض ایسے ہیں جن کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے جیسے
کسی پر بجلی گری، مگر نہیں سزا یا چھت گری مگر وہ زندہ نکلا اس قسم کے واقعات کو
کسی چیز پر محول نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ محض خدا کی قدرت سے ایسا ہوا
کیونکہ یہاں بظاہر اسباب کا سلسلہ اسی واقعہ کے مخالف تھا۔ چاند سورج
کو کہن لگتا ہے اس کا سبب بیان کیا جاتا ہے بارش برستی ہے اس کا سبب
بیان کرتے ہیں لیکن اسباب کا سلسلہ ضرر کہیں نہ کہیں مجبوراً بند کیا جاتا ہے
اور وہاں پہنچ کر اعتراض کرنا پڑتا ہے کہ یہ چیزیں قدرتی ہیں عرض قدرتی
چیزیں وہ کہلاتی ہیں جن کا بنانا تمام مخلوق کی قدرت سے باہر ہوا اور جس
دیکھ کر لامحالہ ایک قادر مطلق کا اقرار کرنا پڑتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے
ایسی اشیاء کے وجود سے اپنے وجود پر استدلال فرمایا ہے قرآن عزیز میں
فرماتے ہیں :-

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ ،
 اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفَلَاقِ
 الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا
 يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ
 اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ
 مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ
 مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ
 دَابَّةٍ وَتَقْرِيفِ السَّرِيحِ
 وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ
 لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ه

میں اور رات دن کے اول بدل میں اور جہازوں
 میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مال تجارت
 وغیرہ) سمندروں میں لیکر چلتے ہیں اور زمین میں جو
 اللہ آسمان سے برساتا پھر اسکی ذریعہ سے
 زمین کو اسکے مرے پیچھے دوبارہ زندہ کرتا ہے
 اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے رونے
 زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے
 ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پھرنے میں
 اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمان و
 زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں وغرض ان
 سب چیزوں میں ان لوگوں کیلئے جو عقل
 رکھتے ہیں بہترین نشانیاں موجود ہیں۔

آسمان اور جو سیارات ایسی ہیں جیسے چاند سورج وغیرہ ان سب کا وجود قدرتی
 ہے ان کی پیدائش کو کسی مخلوق کا فعل نہیں کہہ سکتے کیونکہ دنیا کی کوئی طاقت
 اس کے مثل بنانا نیکا حوصلہ نہیں کر سکتی زمین ہے کہ جس سے ہر قسم کی غذائیں
 اور رنگ برنگ کے پھول پھل نکلتے ہیں کسی کی طاقت نہیں کہ ایک ٹکڑہ اس
 جیسی زمین کا بنا دے۔ سورج ایک معین اور مضبوط نظام کے ماتحت ہمیشہ
 دن کو نکلتا ہے شام کو غروب ہو جاتا ہے کسی کی کیا طاقت ہے کہ اس کو ایک
 منٹ یا ایک سکنڈ کیلئے روک لے۔ ہوا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں انسان

68636 86136

چاہتا ہے کہ پھوپھا چلے مگر پروا چلتی ہے۔ سارا جہاں مل کر پانچ منٹ کے لئے بھی پھوپھا نہیں چلا سکتا۔ پانی کے بھرے ہوئے بادل کھٹے اور گرجتے ہوئے نکل جاتے ہیں مگر کسی کو اختیار نہیں کہ بارش حاصل کر سکے زمین و آسمان کے درمیان بادل لٹکا ہوا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ دو قطرے لے سکے اور جب برستا ہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ روک سکے۔ جب ان امور کو انسان دیکھتا ہے اور عاجز ہو جاتا ہے تو قدرت کو ماننا پڑتا ہے۔ طوفان تیز سمندر میں جہازوں کا چلنا۔ ہواؤں کا اول بدل یہ سب چیزیں کسی کے قبضہ میں نہیں۔

اور سورج ہے پھلا جا رہا ہے اپنے ٹھکانے

کی طرف یہ اندازہ ہے زبردست حکیم کا باندھا

ہوا اور چاند ہے کہ مقرر کر دی ہیں ہم نے

اس کی منزلیں یہاں تک کہ پھر لوٹ کر رہ

جاتا ہے کجھور کی پرانی ٹہنی کی طرح۔ نہ تو

سورج کو یہ لائق ہے کہ وہ جا کپڑے چاند

کو اور نہ رات کی مجال، ہے کہ وہ آجائے

دن ختم ہونے، سے پہلے اور ہر سیارہ پڑا

اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي مَلْسُقَرِّ

لَهَا ذَا بَكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ

الْعَلِيَّهِ وَ الْقَمَرُ قَدَرٌ

نَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ

الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي

لَهَا أَنْ تَدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا

الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝

یہ سب اس لئے ذکر کیا گیا کہ آپ سمجھ لیں کہ خدائی کام اور انسانی کاموں میں کس طرح تمیز ہوتی ہے خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ اس جیسا کرنے سے سب مخلوق عاجز ہوازل وابد کے انسانوں کو بلاؤ لیکن کوئی نہ کر سکے۔ یہی استدلال

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ پہلے حیات اور ممات کے متعلق سوال کیا جب اس میں مخاطب (مُرور) کی عبادت دیکھی تو فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ
میرا رب ایک قاعدہ سے، ایک ضابطہ سے شمس کو چلاتا ہے خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

خدائی کام کی طرح خدائی کلام کو بھی سمجھنا چاہئے

ٹھیک اسی طرح خدائی کلام وہ ہے کہ ساری دنیا اس جیسا کلام بنانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔ ساری دنیا کو لٹکارا جائے، غیرتیں دلائی جائیں، مقابلہ کے لئے کھڑا کیا جائے اور لوگ چاہیں کہ کسی طرح یہ روشنی سمجھ جائے مگر پھر بھی ویسا کلام بنا کر نہ لاسکیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح خدائی کاموں کو بندوں کے کاموں سے الگ کر کے پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں بنی اور واضح فرق ہوتا ہے۔ گلاب خدا کا بنا یا ہوا ہے۔ اب تم بھی کاغذ کے پھول بناتے ہو، مگر تمہارے پھول پر پانی کا ایک چھینٹا پڑ جاتا ہے تو آپ کی صنعت کا سارا پول کھل جاتا ہے۔ لیکن قدرتی پھول پر پانی گرتا ہے تو اس میں اور زیادہ مہمانی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

معجزہ کوئی فن نہیں

بلاشبہ خدائی کام اور بندوں کے کام میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے، خدائی کام کی

نقل بندہ آتا ہے لیکن عاقبت کو کبھی البتاس بھی نہیں ہو سکتا۔ انسان جانداروں
درختوں، پھولوں کی تصویر کھینچ لیتا ہے مگر ایک مچھلی کی آنکھ ایک مکھی کا پر، ایک
مچھر کی ٹانگہ، بلکہ ایک جو کوا نہ تمام عالم مل کر بھی نہیں بنا سکتا! لاکھوں مجسمے،
کہ دروں بیل بوٹے دریا کے صناع بناتے ہیں مگر مچھر کا ایک پر بنانے سے
بالکل عاجز ہیں۔

کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ پیدا کر لیں ایک مکھی

لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا

کو اگرچہ وہ سب کام کیلئے اکٹھے ہو جائیں۔

الْجَمْعُ وَاللَّهُ

اللہ محبوب نہیں ہوتا اس سے کہ بیان کرے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيٰ أَنْ

مثال مچھر کا اور اس سے بھی زیادہ مکر اور حقیر

يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً

چیز کی۔

فَمَا فَوْقَهَا

اسی کا نام خدائی فعل ہے اور جب ایسا فعل بدوں ان اسباب کے جو کہ
اس کے تکرار کے لئے متعارف ہیں کسی مدعی نبوت کے ہاتھوں پر ظاہر ہو تو اسی
کا نام معجزہ ہو جاتا ہے خواہ وہ جنس افعال سے ہو یا جنس اقوال سے اور جب کہ
یہ ثابت ہو کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بدوں تعاطی اسباب کے ظہور پذیر
ہوتا ہے۔ تو دوسرے خدائی کاموں کی طرح اس میں بھی کسی صانع کی صنعت
کو دخل نہ ہو سکے گا۔ پس تجسیم، کہانت، مسحر، سحر، شہدہ کی طرح معجزہ کوئی فن
نہیں ہے جو کہ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہو۔ یہ فنون سیکھنے سکھانے سے
حاصل ہو سکتے ہیں لیکن معجزہ میں نہ تعلیم و تعلم ہے نہ انبیاء کا کچھ اختیار اس میں
چلتا ہے نہ معجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ ان کو معلوم ہے کہ

جب چاہیں ویسا ہی عمل کر کے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں۔ بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہی صورت معجزہ کی بھی ہے۔ ایسا نہیں کہ انبیاء جس وقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشموں جاری کر سکیں۔ بلکہ جس وقت اللہ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے تو جاری ہو سکتی ہیں۔ برخلاف ان فنون کے جو تعلیم و تعلم سے حاصل کئے جاتے ہیں ان میں جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور خاص خاص اعمال کی پابندی سے یکساں نتائج اور ایک ہی طرح کے آثار و کیفیات دکھلائے جاسکتے ہیں مگر آج تک مدعیان نبوت و اعجاز کی طرف سے کوئی درسگاہ معجزہ سیکھنے سکھانے کی نہ بنی نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ متہد ہوا۔ نہ کوئی کتاب تجسیم۔ مسموئیم کی طرح معجزات سکھلانے والی تصنیف کی گئی بلکہ وہ خدا کا فعل ہے جو تمام دنیا کو تھکا دیتا ہے اگر وہ فعل ہے تو اس جیسے فعل سے دنیا عاجز ہے اور اگر اقوال میں سے ہے تو اس جیسے کلام سے تمام دنیا کے برلنے والے مجبور اور درماندہ ہیں اور رسول کے اختیار یا قدرت کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں اسی واسطے انبیاء سے جب معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے اللہ پر محول کیا نہراتے ہیں۔

اور وہ تم سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک

تم پر ایمان لائے ہیں کہ یا تو ہمارے

لئے زمین سے کوئی چشمہ بیانگوار یا کججوروں

اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اسکے

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ

تَجْعَلَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ مِثْبَاتًا

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ

نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ

بیچ میں تم بہت سی نہیں جلدی کہہ دو گاؤ
 یا جیسا تمہارا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے
 ہم پر لا کر او اور خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے
 لاکھرا کر دو۔ یاد رہنے کیلئے تمہارا اطلالی گھر ہو
 یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم وہاں سے
 ایک کتاب اتار کر نہ لاؤ کہ ہم آپ اس کو پڑھ بھی
 لیں ہم تمہارے چڑھنے کو بھی، باور کہ نبیوں نے نہیں
 کہہ دو اسے محمد معلوم، کہ میں رسول تو ہو مگر بشر
 رسول ہوں، خدا نہیں ہوں، یعنی معجزہ تو بشر کا
 فعل نہیں ہے۔ ہمارا کا فعل ہے، میرے قبضہ
 میں یہ نہیں کہ جو تم چاہو تمہیں دیدوں، بلکہ جس
 قدر خدا میری تہذیب کی علامات کے طور پر کانی
 اور منہ سب جانتا ہے ظاہر کرتا ہے۔

خَلَّلَهَا تَجْوِيراً هـ اَوْ تَسْقُطُ
 السَّمَاءُ كَمَا تَرَ عَمَّتْ عَلَيْنَا
 كَسِفًا هـ اَوْ تَأْتِي بِاَللّٰهِ
 وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا هـ اَوْ
 يَكُوْنُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
 تَرْخُفٍ اَوْ تَرْقِيْ فِي
 السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ
 لِرُقِيَّتِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ
 عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّفَرُوْا
 قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّيْ هَلْ
 كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا
 مِّمَّنْ سُوْلًا هـ

معجزہ کچھ ایسے حالاً کیسا تھا آتا ہے کہ ایں شبہ کی گنجائش نہیں ہے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی اور معجزہ دکھلانیکے لئے عصا
 ڈالا اور وہ اثر رہا بن گیا اس کا جواب دینے کے لئے فرعون نے بڑے بڑے ساحروں
 کو جمع کیا اور وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی لاٹھیاں، ارسلہ سبیاں لے
 کر پہنچ گئے وہ سمجھے ہوئے تھے کہ موسیٰ بھی ہمارے ہم پیشہ ساحر ہیں اسی لئے

کہا۔ اِمَّا اَنْ تَلْقٰی وَاِمَّا اَنْ تَكُوْنَ نَحْنُ الْمَلٰٓئِقِیْنَ تم پہلے ڈالو گے یا ہم۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پھینکو۔ جب انہوں نے اپنی لاکھیاں اور رسیاں، پھینکیں اور وہ چلتے ہوئے سامنے نظر آنے لگے تو فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِیْہِ خِیْفَةً مُّؤْتَسِیْہِ موسیٰ اپنے دل میں ڈر سے حالانکہ اگر وہ بھی پیشہ درسا حرم ہوتے تو ڈر کی کوئی وجہ نہ تھی شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ خوف کیوں طاری ہوا، اور کیوں طاری کیا گیا یعنی خوف کا منشا کیا تھا اور اس کے طاری کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟ اگر یہ کہا جائے کہ سانپوں کی صورت دیکھ کر ڈر گئے موسیٰ جیسے پیڑ کو ان لاکھیوں سے کوئی خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جب کہ اس نوعیت کے اہل خوارق کا تجربہ جیسی درجہ مرتبہ کر چکے تھے۔ پہاڑ پر جو واقعہ القائے عصا کا ہوا تھا اس پر لَا تَخَفْ سَنَ چلے گئے کیونکہ وہاں بھی خائف ہوئے تھے۔ وَ لٰی مُدْبِرٌ وَّاُولٰٓئِکَ یُعِیْبُ وَاِنَّ اللّٰہَ لَیَ دَرِیْءٌ

اور خوف نکال دیا تھا۔

لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدٰی
الْمُرْسَلُوْنَ ہ

اے موسیٰ ڈر مت یہاں انبیاء ڈرا

نہیں کرتے۔

پھر دوسری مرتبہ فرعون کے سامنے بھی لاکھی ڈال کر دیکھ چکے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ پہاڑ پر لشبری خوف تھا جو کہ وہیں نکل چکا تھا اب جو دوسری دفعہ طاری ہوا یہ اسوجہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ہاتھ میں کوئی طاقت نہیں کوئی قدرت نہیں کہیں ساحرین کی اس شجرہ بازی کے سامنے حق کا کلمہ لپٹ نہ ہو اور بیوقوف لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں

چنانچہ جواب میں ارشاد ہوا۔

لَا تَحْفَظُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى

ڈرو مت تم ہی اونچے ہو کر رہو گے

یہ تو خوف کا نشانہ تھا اب اس کی حکمت فرماتے ہیں کہ جب ڈر گئے اور ڈرے ہوئے آدمی پر خوف اور گھبراہٹ کے جو آثار ہو دیا ہوتے ہیں ان کو محسوس کر کے ساحرین سمجھے کہ یہ ہمارے پیشہ کا آدمی ہرگز نہیں یا کم از کم اس کو کوئی ایسا ساحر نہ علم ہو نہ ہمیں جس سے یہ ہمارے مقابلہ میں اپنے قلب کو مطمئن رکھ سکے اب جو موسیٰ نے اپنا علم اولا جو باذن اللہ ان تمام جادو کے سانچوں کو ننگا کیا تو ساحرین نے یقین کر لیا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے وہ سب بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم بھی موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ تو ان نے بہت کچھ دہمکیاں دیں اور خوفزدہ کرنا چاہا مگر ان کا جواب صرف یہ تھا کہ۔

قَاتِنَا مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْفِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَا
وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْ مِنَ السَّجْدِ
وَإِنَّهُ خَيْرٌ مِمَّا نَحْنُ بِعَالَمِينَ

جو کچھ تجھے فیصلہ کرنا ہے کر گزر تو اس سے زیادہ نہیں کہ صرف اسی دنیا کی (چند روزہ) زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے جدی لا میوت پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں اور ان ساحرانہ حرکتوں کو مٹا دے فرمائیے جو تم نے ہم پر دوسرا کرنا ہے اور اللہ سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اور جو لوگ ایسی آیات بنیات کو دیکھ کر بھی راہ حق پر نہ آئے ان کا بھی

حال یہ تھا۔

وَجَدُوا بِهَا وَسِيْقَتَهَا
أَنْفُسَهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا

انہوں نے ہماری آیات کا ازکار کیا ظلم سے
زیادتی سے حالانکہ ان کے دلوں کو (سچائی کا،

پورا پورا یقین حاصل تھا۔

خود فرعون کو خطاب کر کے حضرت موسیٰ فرماتے ہیں۔

لَقَدْ عَلِمْتَمَا أَنْزَلَ
هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ بَصَائِرٌ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ
يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا

تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات آسمان و زمین کے
پروردگار کے سوا کسی نے نہیں تاری اور فرعون
بیشک میں تجھے سمجھتا ہوں کہ تو اس علم کے باوجود
ہلاکت میں گر چکا ہے

معجزہ میں دعویٰ نبوت کی شرط کیوں رکھی گئی

معجزہ میں دعویٰ کی شرط بھی کی گئی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ بھی کرے اس کی
وجہ یہ ہے کہ سب فرسے مانتے ہیں کہ خدا سب سے زیادہ سچا ہے۔ وَمَنْ أَصْدَقُ
مِنَ اللَّهِ قِيلًا اور جھوٹ کے نقص سے اس کی ذات پاک ہے تو میں کہتا ہوں کہ
جھوٹ کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص خود خلاف واقع بات کہے اور
کبھی اس طرح کہ جھوٹی بات جو دوسرے نے کہی ہے اس کی تصدیق کر دے
پھر تصدیق بھی دو طرح سے ہوتی ہے کبھی زبان سے کبھی عمل سے اور یہ عملی تصدیق
بسا اوقات قوی تصدیق سے بڑھ کر مؤثر ہوتی ہے جیسے ایک شخص بادشاہ کی مجلس
میں یہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو میرے ساتھ خاص الفت یا رعایت ہے میں اس کا

معتقد خاص ہوں جو میں کہوں گا بادشاہ ضرورہ تسلیم کرے گا اور یہ اس کے وعارہ،
 بادشاہ مجلس میں خود سن رہا ہوں اس کے بعد وہ شخص اپنے دعوتے کو ثابت
 کرنے کے لئے بادشاہ سے کہتا ہے کہ فلاں شخص کو خط لکھ دیجئے فلاں
 حاکم کو معزول کر دیجئے، فلاں امیر کو عہدہ دیدیجئے۔ پھر کہتا ہے کہ آپ نہ
 کھڑے ہو جائیئے، پھر کہتا ہے کہ آپ بیٹھ جائیئے، اور بادشاہ بھی اندر مہربانی
 اپنے عام ضابطہ اور عادت کے خلاف اس کے کہنے کے موافق کرتا چلا جاتا ہے
 اس صورت میں ظاہر ہے کہ بادشاہ نے اسکی قول کی عملی تصدیق کر دی جو کہ
 قولی تصدیق سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے، اگر بادشاہ قول سے تصدیق کرتا تو شاید
 اتنا موثر نہ ہوتا۔ اتنی بات اس مثال میں ضرور ہے کہ بادشاہ ایک انسان ہے۔
 وہ جھوٹی تصدیق بھی کر سکتا ہے۔ مگر اللہ جل شانہ کے یہاں جھوٹ اور کذب
 کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

معجزہ نبوت کی فعلی تصدیق ہے

پس جو نبی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں، اگر میری بات سنو گے مانو
 گے تو نجات ہے ورنہ عذاب مخلد میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ نجات کا راستہ منحصر
 ہے میری متابعت میں۔ اور یہ دعویٰ اللہ کے سامنے کرتا ہے۔ اللہ کی زمین
 پر اور اس کے آسمان کے نیچے باواز بلند کہتا ہے کہ میری متابعت کے بغیر
 کوئی راستہ نجات کا نہیں ہے۔ اور اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ جل
 شانہ، میرے ہاتھوں اور زبان سے وہ چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اسکی عام
 عادت کے خلاف ہوں گی اور دنیا ان کی مثال لانے سے عاجز ہوگی پھر

اس کے موافق مشاہدہ بھی کیا جا رہا ہو تو یہ خدا کی جانب سے عملاً اسکے دعویٰ کی تصدیق ہے درحقیقت معجزہ نبی کے دعویٰ کی عملی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اللہ چونکہ جھوٹی تصدیق نہیں کر سکتا۔ لہذا نبی کا دعویٰ معجزہ کے ظہور کے بعد سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہم بلا خوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس جو کہ تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ایسے خوارق عادات دکھلائے کہ دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ٹھہرے جس کا جی چاہے اب بھی اس ضابطہ کا امتحان کر دیکھے۔ ضرور ہے کہ خدا ایسے حالات برائے کار لائے گا کہ اس کی طرف سے جھوٹے کی عملی تصدیق نہ ہونے پائے۔

فعلی تصدیق کی مثال

آپ جلسوں میں دیکھتے ہیں اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں کا حال سنتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ پر کسی تجویز پر کسی انتخاب پر بحث ہو جاتی ہے تو ایک طرف سے محرک اپنی تحریک پاس کرانے کیلئے حصار کے سامنے بسط سے دلائل بیان کرتا ہے اور دوسری طرف تردید کرنے والا اس کے تردیدی دلائل مفصلاً سامنے رکھتا ہے اس رد و کد کے بعد فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رائے لی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھولتے جاتے ہیں اور یہی ہاتھ اٹھا دینا یا نہ اٹھانا اس ریزولوشن کی تصدیق و تائید یا تکذیب و تردید کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے زبان ہلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی ایک شخص کی

نسبت پبلک جلسہ میں رائے لیجاتی ہے کہ آیا اس پر جمہور کو اعتماد ہے یا اس پر ہاتھ اٹھا دیئے جاتے ہیں یہ ہی علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ ان سب کی رائے اس شخص کے حق میں ہے ہم دن رات میں سینکڑوں دفعہ اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھائیں اس کو کسی چیز کے ثابت کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں لیکن یہی ہمارا ہاتھوں کی وضع طبعی اور سہیت اصلی کے خلاف اور پر کو اٹھا دینا۔ جب کسی ریزولوشن کی تسلیم و انکار یا کسی دعویٰ کی صحت و بطلان کی آزمائش کے موقعہ پر ہو تو کسی غبی سے غبی انسان کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اس وقت ان کھڑے ہوئے ہاتھوں ہی کے شمارے سے رایوں کا شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بڑے نازک اور عظیم الشان مسائل کے فیصلے ہاتھ کی اس غیر طبعی حرکت پر بیچون و چرا ہو جاتے ہیں پس جس طرح ہاتھوں کا نیچے لٹکائے رکھنا آدمی کی عام عادت اور وضع طبعی کے موافق ہے اور اوپر کو اٹھانا کبھی کبھی خاص ضرورت اور مصلحت سے ہوتا ہے اور یہی غیر طبعی وضع جب کسی ریزولوشن پر ووٹ لینے کے وقت اختیار کی جائے تو اس ریزولوشن یا دعویٰ کی بیشک شبہ تصدیق و تائید سمجھی جاتی ہے ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا جو فعل سنن طبعیہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہو وہ اس کی عام سنتہ اور عادت کہلاتی ہے اور جو اسباب سے علیحدہ ہو کر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہو وہ خرق عادت ہے اور یہی خرق عادت جب کسی شخص کے دعویٰ نبوت اور تجدی کے بعد اس سے یا اس کے کہنے کے موافق صادر ہو یہ معجزہ ہے جو کہ من اللہ اس کے دعویٰ کی فعلی تصدیق ہے اور میں کہہ چکا ہوں کہ حق تعالیٰ کسی

جھوٹے کی قولاً یا فعلاً تصدیق نہیں کر سکتا لہذا ہم کو ایسے مدعی کے دعویٰ میں شک کرنے کا کوئی حق نہیں۔

وحی کی تعریف اور ضرورت

اللہ تعالیٰ کا خطاب کسی ایسے شخص سے جس کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کے لئے کوئی صحیح علامت نہ پائی جاتی ہو اس کا نام وحی ہے، وحی اصولی طور پر قریب قریب یکساں ہے یعنی نفس فعل میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ کلی مشکک کے طور پر وحی کے مراتب اور درجات ہیں جب سے دنیا پیدا کی گئی اس وقت سے بندوں کو ہدایت کی ضرورت ہے یعنی انسان میں یہ معلوم کرنے کی ایک طبعی اور فطری خواہش ہے کہ کن خیالات اور اعمال سے اس کو اللہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے جیسے کہ انسان کو بھوک لگتی ہے غذا کی خواہش میں مضطر اور بیتاب ہو کر اٹھریاں سکڑنے لگتی ہیں۔ پیاس لگتی ہے۔ پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے زبان سوکھ جاتی ہے جس طرح حق تعالیٰ نے فطری طور پر بندہ کو بھوک یا پیاس لگائی اسی طرح ایک اور بھوک اور پیاس روحانی بھی لگا دی ہے جو وصول الی اللہ اور معرفت کی ہے اور یہ پیاس اور بھوک بھی فطری ہے مذہب اور امکانہ وازمنہ کا اختلاف اس فطرۃ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا مسلمان آریہ، ہندو، عیسائی، یہود، مجوس ایک چیز کی تلاش میں ہیں البتہ بعضوں کا راستہ غلط ہے مگر مقصد ایک ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کی خواہش، سچائی کی تلاش، وصول الی اللہ، معرفت ربانی اور اللہ سے نزدیک

ہونے کی تمنا ایک چیز ہے جو کہ انسان کے لئے فطری اور طبعی امور میں سے ہے۔

وحی کی ضرورت سے انکار کرنے والوں کی مثال

ہاں جب کبھی جیسا کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو بھوک پیاس جیسے فطری اور طبعی امور بھی اس سے کنارہ کر لیتے ہیں ٹھیک اسی طرح وہ ملاحظہ جو کہ دنیا کی زندگی اور لذت میں محو ہو چکے ہیں شاید ان کو معرفت الہی کی بھوک اور روحانی پیاس نہیں رہتی ہے اور اسی لئے ایسے روحانی بیماروں کا وجود کسی خاص زمانہ یا مکان میں ایسی وبا کی کثرت ہماری فطری ہونیکے دعویٰ کو معذور نہیں کر سکتی۔

وحی کی بطرف انسان کی احتیاج ضروری ہے

پس جس طرح حق تعالیٰ نے ہمارے جسمانی امور فطریہ کا انتظام کیا ہے۔ ہماری بھوک کیلئے غلہ زمین سے اگاتا ہے۔ پانی آسمان سے اُتارتا ہے ناممکن ہے کہ ہماری روحانی بھوک کیلئے کوئی انتظام نہ کرے بلکہ اُس کی رحمت کاملہ سے یقین ہے کہ جس طرح مادی حوائج و ضروریات کے لئے مادی سامان مہیا فرماتا ہے اُس سے زائد روحانی ضرورت کیلئے روحانی سامان ضرور مہیا کرے گا۔ ظاہری پیاس کے بجھانے کیلئے جس طرح اُس نے پانی کے چشمے پیدا کئے ہیں۔ اسی طرح روحانی پیاس کے لئے روحانی چشمے ہونے چاہئیں اور وہ چشمے وحی الہی کے صاف اور شیریں چشمے ہیں اور اس بات کو آریہ سماج بھی ملتے ہیں اتنا فرق ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ سامان کرنا تھا وہ ابتدائے آفرینش ہی میں کیا جا

چمکا ہے پھر بار بار اس میں تغیر و تبدیلی یا تجدید اور تدریج کی ضرورت نہیں۔

نزول وحی میں تدریج

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت تکوینیات میں یہ ہے کہ وہ اگرچہ تمام اشیاء کو دفعۃً پیدا کرنے پر قادر ہے تدریج ہی پیدا کرتا ہے۔

اور کوئی چیز کیوں نہ ہو اس کے خزانے ہمارے

وَإِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خِزَانَةٌ

پاس ہیں اور ہم اس کو امارتے ہیں۔ ایک

وَمَا نُنزِلُكَ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ

معین اور سچی تہی مقدار میں۔

ہر چیز کو دفعۃً پیدا کرنا خدا کے لئے کچھ مشکل نہ تھا مگر ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ

درخت کا بیج ڈالو تو تدریج ایک عرصہ کے بعد درخت بن جائیگا۔ زوجین کا

قربان ہوتا ہے مہینے گزرتے ہیں، مختلف اطوار و ادوار ہیں۔ بہت سے چکر

ہیں تب بچہ بنتا ہے گو بیکم بنانے پر قادر تھا۔ جس طرح تمام حیوانات کو پر لیکے

بعد بیکم بناتا ہے اور اس کو اسمیں تکاں بھی نہ ہوتا لیکن عادت برخلاف

ہے اب اگر کہو گے کہ یہ عادت کیوں ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ مادہ میں استعداد

ہی ایسی ہے پھر اگر کہو گے کہ ایسی استعداد کیوں ہے اس کا جواب گذر چکا،

کہ ہر جگہ ”کیوں“ نہیں پوچھا جاسکتا بلکہ آخر میں ایک مدد ہی کہے گا کہ

اللہ کے علم محیط میں یہی قرین مصلحت تھا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی عادت یہ

معلوم ہوتی ہے کہ بہت سی اشیاء کو تدریج بناتا ہے اور جن اشیاء کی نسبت

ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ شاید دفعۃً پیدا ہو گئی ہوں جیسے چاند سورج،

ستارے وغیرہ ان میں بھی باعتبار فیض رسانی اور دوسری اشیاء سے تعلق رکھنے کے تدریج اور تغیر و تبدل مشاہدہ ہے پس ہمارا خیال یہ ہے کہ جس طرح وقتاً فوقتاً ضرورت پیش آنے پر اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا رہتا ہے یہ نہیں کہ ایک ہی بارش ہمیشہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے پھر ضروری نہیں کہ ہر ایک بارش یکساں زمانہ تک کفایت کر سکے کبھی دو چار دن کے لئے روک تھام ہو جاتی ہے کبھی اتنی بارش ہوتی ہے کہ کئی ماہ تک ضرورت نہیں رہتی ٹھیک اسی طرح اقوام عالم کی ارواح و قلوب کی کھیتوں کو ابھارنے اور سرسبز کرنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ وحی والہام کی بارش حسب ضروریات زمانہ اور حسب استعداد قلوب مختلف زمانوں میں کرتا رہا ہے کبھی تو وحی الہی کی بارش ایسے زور و شور کی ہوئی کہ قرون تک اس کی تری زمین سے نہ گئی اور کبھی تھوڑا سا ترشح کافی سمجھا گیا فان لہ یصیبہا ذر ایل فضل۔ اسی طرح لگاتار چھوٹی بڑی بارشیں مختلف اقوام و ممالک پر ہوتی رہیں اور ہر ایک نے چھوٹی یا بڑی میعاد تک زمین والوں کی روحانی کھیتوں کو سیراب کیا آخر ایک وقت آیا کہ خدا کی ساری زمین خشک اور پیاسی ہو گئی، ہدایت کے چشمے سوکھ گئے، چاروں طرف آگ برسنے لگی، بد اعتقادوں اور بد اعمالیوں کی آندھنیوں اور ٹونے تمام روحانی کھیتوں کو جھلس ڈالا۔ اُس وقت بطلما کے پہاڑوں سے ایک گھٹا اٹھی جو آخر کار ساری دنیا پر چھا گئی اور وحی الہی کی وہ موسلا دھار اور عالمگیر بارش ہوئی جس نے ایک مدت مدید تک دوسری بارش کی کوئی ضرورت باقی نہ چھوڑی جب تک اس بارش کا کافی اثر باقی رہے گا۔ دوسری بارش نہ آئے گی۔ اسی

بارش کے پانی سے جو بڑے بڑے تالابوں اور نہروں میں جمع ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً زمینوں کی آبپاشی ہوتی رہے گی۔ اور جب یہ پانی تمام ہو جائے گا۔ تو مخبر صادق کی خبر کے موافق یہ دنیا بھی ایک آخری سنبھالا لیکر داعی اجل کو لبیک کہے گی۔

یا (ان منافقوں کا ایسا حال ہے) جیسے آسمانی بارش کہ اس میں اکئی طرح کے اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی موت کے ڈر سے مارے کڑک کے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لینے ہیں، اور اللہ منکروں کو گھیرے ہوئے ہے (کہ اس کی پکڑ سے کہیں نہیں نکل سکتے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ہدایت اور علم دے کر مجھ کو خدا نے بھیجا ہے وہ ایک مو سلا دھار بارش کی طرح ہے (جو خدا کی زمین پر برسی پھر زمین کا ایک عمدہ دسر حاصل) قطعہ تھا۔ جس نے بارش کے پانی کو قبول کر کے گھاس اور سبزہ اگایا۔ اور دوسرا قطعہ تھا (جہاں پیداوار کچھ کم نہیں ہوئی لیکن) اس نے پانی کو اپنے اندر روکے رکھا جس سے لوگ منتفع ہوئے اور انہوں نے خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور کھیتوں کو

أَوْ كَعَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ
وَرَعْدٌ وَبُرُوقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ
فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ
المَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ
وفي الحديث قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم مثل ما بعثني
الله بهن الهدى والعلم مثل
الغيث الكثير أصاب أرضاً فكانت
منها طائفة طيبة قبلت الماء
فانبتت الكلاء والعشب الكثير
وكانت منها اجازب أمسكت الماء
فمنع الله بها الناس فشربوا و
سقوا وخرسوا و أصاب منها
طائفة أخرى إنما هي قيعان
لا تمسك ماءً ولا تنبت كلأً

فذلك مثل من فقه في دين الله
ونفعه ما بعثني الله به فاعلم
وعلم ومثل من لم يرفع بذلك
مرساو له يقبل هدى الله الذي
ارسلت به (متفق عليه)

سیراب کیا (ان دونوں کے سوا) زمین کے ایک
ابے حصہ پر بھی بارش کا پانی پہنچا جو پھیل اور
شور مچتی کہ نہ تو وہاں پانی رکنا ہے اور نہ گھاگس
اور سبزہ اگتا ہے تو سمجھ لو کہ پہلی مثال ہے
اُس شخص کی جس نے دین کی سمجھ حاصل کی اور
جو چیز خدا نے مجھ کو دی تھی اُس نے اس کو نفع پہنچایا، اُس نے خود بھی وہ علم حاصل کیا اور دوسرے
کو بھی سکھایا اور آخری مثال ہے اُس کی جس نے اس ہادی کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا بھی نہیں
اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جسے دے کر میں بھیجا گیا تھا۔

وحی کا تدریجی اور غیر تدریجی ہونا امکان میں داخل ہیں

لیکن تدریجی ہونا عادت الہی کی موافق ہے

پہلے گذر چکا ہے کہ وحی اور الہام کی دو صورتیں ممکن ہیں یا تدریج ہو، یا
دفعۃً پس ہمارے اصول کے موافق جب عدم محض سے دنیا کو پیدا کیا گیا اور آرزو
کے نزدیک جب پرلے کے بعد دنیا موجود ہوئی اس وقت سے آدمیوں کو الہام اور
وحی کی ضرورت ہونی چاہیے اس لئے کہ ان کو اب زندگی بسر کرنی ہے اور وہ اس
اور معاد کی درستی کے اسباب بہم پہنچانے میں جو بجز ایک ملہمانہ تعلیم کے متصور نہیں
معرقت الہی کی روحانی پیاس جو ایک فطری امر ہے اور اپنے رب اور مالک حقیقی
کو خوش رکھنے کی تمنا جس کا بیج بھی آدم کے قلوب میں ازل سے بکھیر دیا گیا ہے
شروع ہی سے ایک ایسے صاف شیریں اور روح پرور چشمہ کی تلاش میں ہے

جو تشنگانِ رضا مولیٰ کو سیراب اور ان کی روحانی کھیتوں کو سرسبز شاداب کر سکے چنانچہ حق جل و علا کی حکیمانہ رافت و رحمت ملاحظہ ہو کہ زمین کے آباد کرنے والے نے ابھی تک زمین پر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ پودے کا ر حقیقی نے اسے تمام ضروری چیزوں سے نام بنام واقف کر دیا۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

اور آدمؑ کو سب (چیزوں کے) نام بتا دیئے۔

بلاشبہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بڑے تعجب کی بات تھی۔ جس خدائے رحمن نے ہماری پیدائش سے پیشتر ہماری مادی حوائج کا کافی انتظام کر دیا، زمین پیدا کی جس پر ہم کو بسنا اور کاروبار کرنا تھا اور اس کو ہر طرح کی غذاؤں اور اسبابِ زندگی کا ایک گودام بنا دیا چٹھے اور دریا جاری کر دیئے، کنوؤں میں پانی کا ذخیرہ محفوظ کر دیا زندہ رہنے اور سانس لینے کے لئے تمام فضا میں ہوا پھیلا دی۔ آسمان کی مضبوط چھت میں کیسے درختاں اور آنکھوں کی ذخیرہ کرنیوالی تندرلیں روشن کر دیں غرض علویات اور سفلیات کا ایسا نظام قائم کیا کہ اس خاک کے پتلہ کو اپنی ضروریات میں اس سے نفع اٹھانا آسان ہو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسا مہربان خدا ہماری رُحی اور باطنی ضروریات کی طرف توجہ نہ فرماتا۔ اس نے ابتداء آفرینش سے ہی ہدایت کے چٹھے جاری کئے، وحی اور الہام کی باریں وقتاً فوقتاً برسائیں اور جس جس وقت جس جس طرح اُس کے علم ازلی میں مناسب تھا روحانی زندگی کے سامان مہیا فرمائے پس اگر مختلف زمانوں میں مادی غذا کی تیاری کے لئے مختلف طرح کی بارشوں اور بادلوں کے اول بدل پر ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے تو ہم کو اس کا بھی کچھ حق نہیں پہنچتا کہ ہم بہت سے انبیاء

مرسلین اور ان کی شرائع کے ارسال و انزال پر کسی طرح کی حرف گیری کر سکیں۔ متعدد شرائع کے نزول میں جو تدریج و تغیر سرعی ہوتی ہے وہ شخص کبر (عالم) کے حق میں اس سے زائد نہیں کہ ایک طبیب کسی بیمار کو کئی دن تک منفع پلانے کے بعد مسہل دینے لگے یا تنقیہ خاص کے بعد تنقیہ عام کا مشورہ دے کوئی عقلمند بھی اس وقت یہ نہ کہے گا کہ طبیب کے منفع پلانے میں کچھ غلطی یا بھول چوک ہو گئی تھی جس کی تلافی اس نے مسہل کے نسخہ سے کی ہے حقیقت یہ ہے کہ طبیب و نامریض کی ہر ایک حالت کے مناسب دوا تجویز کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھ لو کہ وہ حکیم و علیم خدا بھی عالم کے مزاج اور تغیر احوال و عوارض کی رعایت سے کبھی جلد جلد اور کبھی بدیر اس کے حالات کے مناسب نسخہ بدلتا رہتا ہے اور بعض اوقات کسی نسخہ کا استعمال بہت دیر تک قائم رکھتا ہے کیونکہ مریض کے حالات کا تغیر اس نسخہ کے اجزاء پر کوئی اثر نہیں ڈالتا یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں سوال امکان اور قدرت کا نہیں، بلکہ عادت الہی کا ہے اور یہ پہلے گزارش کیا جا چکا ہے کہ عادت سے اسکے خلاف قدرت کہنے کی نفی نہیں ہوتی وحی کے مراتب کی تدریج اور تفاوت کو آپ ٹھیک اور مثال سے بھی سمجھ سکتی ہیں۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جس طرح انسان کی ظاہری آنکھ مبصرات کے دائرہ میں اس وقت اپنا فعل کر سکتی ہے جب کہ اس کے اندر نور بصارت موجود ہو اور مبصر (یعنی جس چیز کو دیکھنا ہے) وہ بھی کسی قسم کی خارجی روشنی کے احاطہ میں ہو اگر اندرونی اور بیرونی روشنیوں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو جائے تو آنکھ کے لئے دیکھنا ناممکن ہے ٹھیک اسی طرح

غیبات اور امور معاد کا سمجھنا بھی دور روشنیوں پر موقوف ہے ایک اندرنی جو عقل کی روشنی ہے دوسری بیرونی جس کو وحی کی روشنی سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا عقل انسانی نہ تو بیکار ہی ہے اور نہ وحی سے مستغنی ہو سکتی ہے اس کے بعد لیل و نہار کے نظام پر غور کیجئے کہ سب میں جوں جوں تاریکی بڑھتی چلی جاتی ہے تو ستاروں کی چمک میں بھی تیزی آتی جاتی ہے تاریک ٹمروں میں لائٹیں چراغ وغیرہ سے روشنی کا سامان کیا جاتا ہے جن کو قدرت کے فیض نے تاریک اوقات میں دنیا کے کاروبار جاری رہنے کے لئے میسر کر دیا ہے ستاروں سے جہازوں سے چلنے چلانے میں مدد ملتی ہے اور خشکی اور تری میں لوگ ان کے ذریعہ سے وقت اور سمت کی تعیین کرتے ہیں۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ اور لوگ ستاروں سے بھی راہ معلوم کرتے ہیں۔
گیس کے بندوں اور بجلی کے مقبوضوں سے لوگوں کا کاروبار چلتا ہے جب صبح ہوتی ہے اور سورج نکلتا ہے تو تمام مختلف روشنی کے سامان نابود ہو کر ہزاروں آلات روشنی کے بجائے تنہا ایک روشنی سورج کی کام دیتی ہے قدرت یہ بھی کر سکتی تھی کہ سورج کو ہمارے سر پر ہمیشہ کھرا رکھتی مگر ایسا نہ کیا جس کی مصالحوں اور حکمتوں کا احصاء خدا ہی کر سکتا ہے بہر حال اس سے اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ ظاہری نور (روشنی) متدرج اور متفاوت ہو سکتی ہے اور اس تدریج اور تفاوت کے باوجود ایک ایسا مرتبہ بھی آسکتا ہے جو تمام مدارج کو ختم کر کے صرف ایک ہی درجہ کو باقی رکھے جو کہ اپنے مستفیدین کو سب ستاروں اور چراغوں کی روشنی سے مستغنی کرے اور سب چھوٹی بڑی روشنیاں اسی ایک روشنی میں محو اور

مدغم ہو جائیں پس اگر روحانی نور یعنی وحی اور الہام خداوندی میں بھی تدریج ہو اور آخر میں اُس کا ایک رجحان ایسا بھی آجائے جس کے بعد کوئی وجہ باقی نہ رہے تو اس میں کیا تعجب ہے حضور نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جنہیں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ لیکن میں تمام آدمیوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

وحی میں باوجود اصولی اتفاق کے فروعی تفاوت

یہ بات فراموش نہ کی جائے کہ تمام انبیاء کے پاس اصول کے اعتبار سے

ایک ہی چیز ہوتی ہے۔

(لوگو! اس نے تمہارے دین کا وہی راستہ

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ

ٹھہرایا ہے جسی (پر چلنے) کا اس نے نوح

نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا

کو حکم دیا تھا اور داؤدؑ پیغمبرؑ تمہاری طرف

وَصَيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى

(بھی) ہم نے اسی راستہ کی وحی کی ہے اور اس

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا

کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو (بھی)

فِيهِ۔

حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

البتہ مختلف انبیاء اور ان کی شرائع میں اصول کو بحالہا قائم رکھتے ہوئے

ازمنہ اور امکانہ اور امر و جہ کے اختلاف سے زوائد کا خفیف سا تغیر و تبدل ہو جاتا

ہے اس کو یوں سمجھو کہ انسانوں کی عام غذا ہمیشہ ایک قسم کی ہے مثلاً رٹلی باجراؤ

اور پانی لیکن زوائد اور فروع میں باعتبار اوقات و مواسم تغیر و تبدل کرتے رہتے

ہیں مثلاً جاڑے میں سوہن حلوہ، گاجر اور انڈوں کا حلوا، اور گرمی میں فیرفی فالودہ وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی اصول کے اتفاق اور زائد کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ابوہم واحد و امہاتہم شتی یعنی انبیاء کرام کی مثال ان بھائیوں کی طرح ہے جن کا باپ ایک والدہ مختلف ہوں۔

خاص خطاب کے بعد وحی کا عالمگیر خطاب

یعنی

نبوت خاصہ کے بعد نبوت عامہ

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ مختلف اقوام کی طرف مختلف نبی اور نذیر ہدایت کے لئے آئے۔

وَأَنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ
اور کوئی امت ایسی نہیں (ہوئی) کہ اس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔

جو مختلف زمانوں میں اپنے منصب کے موافق رہنمائی کا فرض ادا کر کے چلے گئے ان سب کے بعد ایک ہادی اعظم اور منذر عام آیا جو کہ تمام مخلوق کے لئے ہادی ہے۔

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا
تاکہ تمام جہان کے (لوگوں کے) لئے (عذاب خدا) سے ڈرنے والا نہ گذرا ہو۔

پس ضروری تھا کہ ایسے منذر عام کے پاس ایسی کتاب ہو جو کہ تمام لوگوں

کی ہدایت اور عام اقوام کی رہبری کے لئے ابدی طور پر ضامن اور تکفل ہو جائے۔ اس سے پہلے مفصلاً گزر چکا ہے کہ خدائی کلام کو کہ ہم خدائی کام کی طرح پہچان سکتے ہیں۔

قرآن اور اس کی جامعیت

آؤ! اس مندر عام کی اس کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے کہ آیا وہ خدا کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جب تم اس کی تفتیش کرو گے تو تم کو اس کو کتاب میں تہذیب اخلاق، طریق تمدن و معاشرت، اصول حکومت و سیاست، ترقی و حانیت، تحصیل معرفت ربانی، تزکیہ، نفوس، تنویر قلوب، عزتیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلایق کے وہ تمام قواعد و سامان موجود نظر آئیں گے جن سے کہ افرینش عالم کی عرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و حکم کا تکفل کرنے کے ساتھ جن کے بغیر مخلوق اور خالق کا تعلق صحیح طور پر قائم نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے۔ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا بلرز بیان، دریا کا ساتھ موج اور روانی، سہل ممتنع سلاست اسالیب کلام کا تفسیر اور اس کی لذت و حلالت اور شہنشاہانہ شان و شکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہاں کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا ہے جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آرائی غیب کی نقاب الٹی اور آدم کی اولاد کو اپنے سے شناس کیا اس کا برابر بھی دعویٰ رہا کہ میں

خدائے قدوس کا کلام ہوں اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین اور خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازش کریں گے، مگر گانٹھیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مرینگے، اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے، کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھانہ رکھیں گے، اپنے آپ کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے نقصانات اور مصائبے دوا ہی کا حمل ان کے لئے ممکن ہو گا مگر قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ کا مثل بنانا ناممکن نہ ہو گا۔

نبی اُمی اور اسکا اعجاز قرآنی

پھر مزید یہ ہے کہ جو ہادی اس کتاب کو لایا اس نے نہ کسی درس گاہ میں تعلیم پائی نہ کسی لائبریری کا مطالعہ کیا، نہ کسی استاذ اور معلم کے سامنے زانوئے ادب نہ کیا اور نہ اس کے گرد و پیش ایسے بیش بہا تعلیمات کا کوئی مواد موجود تھا بلکہ اس کی اور اس کی قوم کی وہ حالت تھی جس کو قرآن نے یوں ادا کیا۔

وہ (خدا ہی تو ہے جس نے) عرب کے) جاہلوں میں
ان میں سے (محمد کو) پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ ان کو
خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو دکھو
شرک کی گندگی سے، پاک صاف کرے اور ان کو

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ
رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُكَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ

کتاب (الہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ہیں اور نہ
 (اس) پہلے تو یہ لوگ صریح ٹمرا ہی میں مبتلا تھے۔

نہ صرف یہ کہ قرآن نے اس کے اُمی ہونے کا اشارہ کیا بلکہ اُمی کا وصف
 اس کے لئے بمنزلہ ایک ممتاز لقب کے استعمال فرمایا، جس پر فرمایا۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ
 النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُون
 مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ
 (ان سے ہماری مراد اس زمانہ کے وہ اہل کتاب تھے)
 جو رہا ہے ان رسول نبی اُمی (محمد کی پیروی کرنے
 میں جن کی بشارت کو اپنے ہاں توراہ اور انجیل
 میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور ایک موقع پر آپ کی نوشت و خواند کے متعلق ان لوگوں کے مجمع میں
 جن سے آپ کی چہل سالہ طویل زندگی کا کوئی عمدہ واقعہ خصوصاً کہ وہ جس میں قیاط
 غیروں کی ہو مستور نہ رہ سکتا تھا، صاف صاف اعلان کر دیا گیا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ
 كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ بِمِثْنِكَ
 إِذْ الْأَسْرَابُ الْمُبْتَلُونَ ه
 نہ تو تم قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے
 اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا
 ہوتا تو بیشک باطل پرستوں کو کچھ شک و شبہ کی
 گنجائش ہوتی۔

یہی نہیں کہ آپ رسمی نوشت و خواند سے بالکل انک تھک رہے، بلکہ جو
 چیز بڑے سے بڑے متعصب معاند کو بھی محو حیرت بنا دینے والی ہے وہ یہ ہے
 کہ آپ باوجود عرب کے نہایت ہی واجب التعظیم معزز و ممتاز خاندان میں
 سے ہونے کے اس فن شاعری سے بھی نا آشنا ہے جس میں اس سرزمین کے بچے

اور چھوکر یاں بھی طبعی سلیقہ کے موافق یدِ طولی رکھتی تھیں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایسے ملک کا جہاں کی زمین نباتات کی طرح شاعروں کو اگاتی تھی ایسا مایہ ناز فرزند شعر گوئی سے کوئی علاقہ نہ رکھے، ایک شعر بھی اس کا عرب کے دواوین میں موجود نہ ہو، کسی مشاعرہ میں ایک قصیدہ بھی اس نے نہ پڑھا ہو جو یہی گمان کر لیا جائے کہ شاعری سے ترقی کرتے کرتے شاید وحی والہام کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

وَمَا لَنَا لِمَنَّا الشُّعْرُ وَمَا

يُنْبَغِي لَنَا

اور ہم نے ان (پیغمبر محمد) کو شاعری نہیں سکھائی اور

شاعری ان (کی شان کے) لائق بھی نہیں۔

پھر لائے تو پورے چالیس کے بعد ایک ایسا کلام لائے جو نہ قصیدہ ہے نہ غزل ہے نہ مرثیہ ہے نہ اس رنگ ٹھنک کا کوئی کلام ان کے یہاں موجود ہے نہ اس طرح کی کوئی تصنیف وہاں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ آفتاب کی طرح مکانات کو نہیں دلوں کو روشن کرنے والا کلام ہے وہ حکمت ہے، علم ہے، شفا ہے، برہان ہے، نور ہے، قانونِ ہدایت ہے خلاصہ یہ کہ خدا کے علم سے روشن کی ہوئی مشعل ہے جسے نہ کوئی ہوا کا جھونکا گل کر سکتا ہے نہ کوئی آندھی بجھا سکتی دنیا کے فسما و بلغار نے اس اُمی کی لائی ہوئی کتاب کے سامنے سپر ڈال دی۔ بڑے بڑے شاعر ایسے بہک گئے کہ جس آدمی نے مدۃ العمر ایک شعر نہیں کہا تھا محض کلام سکر اسے شاعر بتلانے لگے اس کا خارق عادت دیکھ کر سحر سے تعبیر کیا اور یہی چیز ان کے زعم میں تمام فوق العادۃ کارناموں کی حد تھی۔ اور بعض ان میں سے قرآن کی فصاحت کو سجدہ کرنے لگے قرآن کے علوم و قوانین نے ساری

دنیا کے قانون روی کر دیئے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ حکمتوں اور تمدنوں کو اپنا کر کے ان کی جگہ لے لی۔ اور آخر کار اُمیوں کی جماعت کو دنیا کے مدعیانِ حکمت و تہذیب کا معلم بنا دیا۔

آپ کا اُمی ہونا تاریخ کی اہلی بدہیات میں سے ہے

کیا آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کوئی شخص جرات بلکہ حماقت کرے گا کہ آنحضرت صلعم کے اُمی ہونے کو یہ کہہ کر جھٹلانے لگے کہ شاید آپ نے بھی دنیا کے دوسرے مصنفین کی طرح مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھی ہوں گی کسی میاچی کے پاس بیٹھے ہونگے کوئی کتب خانہ آپ کے مکان میں چھپا ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ وہ آیات جن میں آپ کا اُمی ہونا بیان کیا گیا ہے، ایسی قوم کو سا لہا سال تک شب و روز سنانی جاتی رہیں جن کی گوروں میں آپ بچپن سے پلے تھے اور آپ کی عمر کا کوئی معتد بہ عرصہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھا۔ لیکن ایسی شدید عداوت اور غیظ و غضب اور آپ کی تکذیب و تردید پر اس قدر حرص ہونے کے باوجود کسی ایک اُمی نے بھی یہ شہادت نہ دی کہ آپ کے فلاں مدرسہ میں تعلیم پائی ہے یا فلاں استاد کی خدمت اور ملازمت میں آپ اپنی مدت تک رہے ہیں۔ اگر کوئی آواز بھی ایسی اٹھی ہوتی تو ضرور آج تاریخ میں اس کا کچھ نشان ملتا۔ تاریخ کے صفحات جس طرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھلے ہوئے تھے اس سے زائد آپ کے دشمنوں اور بدنام کرنے والوں کیلئے کشادہ تھے بلکہ آغاز اسلام میں جب کہ چند مظلوم اشخاص کے سوا کوئی بھی حضرت (محمد) صلعم کا کلمہ پڑھنے والا نہ تھا اور کفر و باطل کی ساری شیطانی طاقتیں آپ کے

نام و نشان کو صفحہ ہستی سے معاذ اللہ مٹا دینے میں مشغول تھیں ان کے لئے ایسا
 پروہیگنڈا پھیلانے کا بڑا وسیع میدان موجود تھا اور وہ بخوبی اس کی اشاعت
 اطراف و اکناف میں کر سکتے تھے کہ محمد (صلعم) معاذ اللہ اپنے امی ثابت کر نیکی
 دعویٰ میں جھوٹے ہیں انہوں نے فلاں کالج میں یا فلاں پروفیسر سے اتنے زمانہ
 کرسی تعلیم پائی ہے پس جب کہ چودہ سو برس کی تاریخ کوئی ایسا بیان پیش
 کرنے سے خاموش ہے تو تاریخ کی عزت پر یہ ایک بڑا ہی ناپاک اور کینہ حملہ
 ہوگا کہ تعصب کے جوش میں محض اپنے توہمات کی بنا پر تاریخ کو جھوٹا ثابت
 کیا جائے اگر اسکندر رومی کی فاتحانہ ملک گیری۔ انوشیرواں کی عدل گستری،
 رستم کی شہرہ آفاق طاقت و شجاعت، حاتم طائی کی سخاوت اور فیاضی کی تردید
 کر دی جائے تو غالباً تاریخ و روایت کا فن اس قدر بے اعتبار نہ ہوگا جتنا کہ بنی
 عربی صلعم کے امی ہونیکے نفی سے ناقابل اعتبار ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسا واقعہ
 ہے جس کا تو اتر قرآن کے تو اتر کی برابر ہے اس کا انکار صرف اس صورت میں ممکن
 ہوگا کہ ایک آدمی یہ ہی دعویٰ کر بیٹھے کہ محمد صلعم نامی کوئی انسان عرب میں پیدا
 ہی نہیں ہوئے۔ نہ انہوں نے یہ قرآن پڑھ کر لوگوں کو سنایا نہ دعویٰ پیغمبری کیا
 تو کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ محض قرآن یا حامل قرآن کی عداوت کے جوش میں
 گذشتہ تمام مشہور و متواتر واقعات کو بھی جھٹلانے لگیں جس کا خمیازہ نہ صرف
 مذہب اسلام کو بلکہ دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں خصوصاً اس مذہب کو اٹھانا پڑے
 گا جس کا وجود تاریخی زمانہ سے بھی بہت پہلے کا بتلایا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا
 کہ کوئی شخص قرآن کی ضد میں اس درجہ جہالت پر اتر آئے گا کہ وہ نزول قرآن سے

پہلے نبی اُمی کا تعلیم یافتہ ہونا ثابت کرے حالانکہ وہ مشہور صدی اور متمدن فرد بھی جنہوں نے کوئی امکانی صورت تکذیب قرآن کی اٹھانہ رکھی تھی۔ تنگ اور کھیلنے ہو کر اس سے زائد نہ کہہ سکے کہ انسانیت بشر (کوئی آدمی ان کو سکھا جاتا ہے) ایسا کوئی حوالہ بھی نہ دے سکے جس سے چالیس سال کی عمر تک ایک دن کیلئے بھی آپ کا کسی سے تعلیم پانا ثابت ہوتا بلکہ خود ان کا یہی قول اس کی دلیل ہے کہ رسول خدا صلعم کے امی ہونیکو وہ ایسی ناقابل انکار ہدایت سمجھتے تھے کہ قرآن کے علوم و معارف کو آپ کے گذشتہ مشہور و معروف امیت سے تطبیق دینا ان کیلئے ممکن نہ تھا اس لئے وہ آپ کی جگہ کسی غیر معلوم بشر کو جو تعلیم یافتہ ہو اس قرآن کا اصل مصنف قرار دیتے تھے اس وقت شاید ان کو یہ خیال نہ رہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھانیوالا بھی کوئی بشری ہے تو کسی بشر کا مقابلہ کرنے اور اس کے کلام کا مثل لانے سے سانسے جہانگی بشری اور غیر بشری طاقت عاجز نہیں رہ سکتی۔ بے شک قرآن حضرت محمد صلعم کا کلام نہیں ہے اور نہ آپ کے پاس ایسی کتاب تیار کر لینے کا کوئی طبعی سامان موجود تھا اور یہ بھی درست ہے کہ یہ قرآن ضرور آپ کو کسی اور نے پڑھایا ہے لیکن وہ پڑھانیوالا بشر نہیں تھا بلکہ وہ رب کریم تھا جو لا یعقل لطفہ اور منجد خون کو صاحب عقل و شعور انسان بنا دیتا ہے۔

پڑھو (اے محمد صلعم) اپنے رب کے نام سے جس

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

نے پیدا کیا انسان کو جسے ہوئے خون سے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔

وہ جس طرح اپنی ذات و صفات میں اور اپنے کام میں بشمول اور یکتا ہے اسی

طرح اپنے کلام میں بھی بے نظیر و بے ہمتا ہے۔ مخلوق جس طرح اس کے کام کا معارضہ کرنے سے مجبور ہے۔ قرآن کے لائیو والے نے بڑے زور سے تحدی کی، ہر طرح لوگوں کو اس کلام کا مثل لانے کیلئے ابھارا، غیرتیں دلائیں، مقابلہ کیلئے بیدار کیا، جنھوڑ جنھوڑ کر اٹھایا، اور ایک ذرا سی بات پر جو ان کے زعم میں بہت ہی آسان اور سہل الحصول ہونا چاہیے تھی، اپنے کل دعاوی کے جھوٹ اور سچ ہونیکا فیصلہ چھوڑ دیا، لیکن مقابلہ کرتیوں نے لڑائیاں لڑیں، حاملین قرآن کے مٹانے اور تباہ کرنے کی سازشیں کیں۔ ان کے ذلیل اور رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا، تاہم یہ حوصلہ کسی کو نہ ہوسکا کہ قرآن کی کسی چھوٹی سی سورۃ کے جواب میں چند جملے بنا کر قرآن کے عظیم الشان دعویٰ کو غلط یا پست کر دیتا (العیاذ باللہ)

قرآن نے کس طرح لوگوں کو عاجز کیا

جیسے ہم خدائی کاموں کو مصنوعات عالم میں غور کر کے باسانی پہچان لیتے ہیں اسی طرح خدا کے کلام کے مقابلہ میں بہت سے شعرا کے کلاموں اور دنیا کے بڑے بڑے بولنے والوں کے نتائج انکار کو، ان کے شستہ و مہذب بیانیوں کو، غلقہ انداز خطبوں کو، معرکہ الارالکچروں کو، عرق ریزی سے لکھی ہوئی تالیفات کو، ادبی اور علمی مصنفات کو سامنے رکھ کر ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ یہ خدائی کلام ہے آدمیوں کا کلام نہیں پس جس کلام کے متعلق یہ دعویٰ ہمارے سامنے آتا ہے کہ خدائی کلام ہے اس میں ہم کو امویہ ذیل پر غور کرنا پڑے گا۔

خدائی کلام کے پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے

(۱) مدعی نبوت جس کی زبان سے یہ ہم تک پہنچا اس کی کیسی حالت ہے؟
 (۲) اس کی تعلیم کیسی ہے؟ (۳) کیا اس جیسا آدمی ایسا کلام بول سکتا ہے؟ (۴) کیا اس کے پاس ایسا سامان موجود ہے جس سے وہ ایسے بلتین ہا علوم و مضامین ادا کر سکے؟ (۵) کیا حجاز میں کوئی علمی سامان موجود تھا؟

کیا قرآن اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے

پہلے سواں کے متعلق قرآن کے لانیوالے کی حالت جب ہم دیکھتے ہیں تو وہ ایک دیانتدار شریف النسب مگر ایک یتیم بچہ ہے۔ جس کے سر پر نہ باپ نے سایہ کیا نہ زیادہ دنوں تک آغوش مادری کی راحت اٹھائی، نہ اس کے پاس کوئی ثروت ہے نہ دولت، نہ اس کا گھرانہ کوئی علمی یا صنعتی گھرانہ ہے نہ اس کے پاس لڑکپن کے زمانہ یا جوانی بلکہ نبوت کے بعد بھی کوئی ظاہری علمی سامان ہے نہ اس کے وطن میں کوئی مدرسہ ہے نہ کوئی مکتب، نہ اس کے وطن میں علوم و فنون کا کسی قسم کا چرچا ہے بلکہ وہاں کسی کے کان علوم و فنون کے چرچے سے آشنا بھی نہیں۔ ہاں ان کے پاس اگر ہے تو صرف زبان ہے اور اس قدر طاقت لسانی اور قادر الکلامی ہے کہ وہ تمام جہان کو اپنے سامنے گونگا سمجھتے ہیں چنانچہ عرب کے ماسوا کا جو نام عجم رکھا تھا اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ عجم کو قادر الکلام نہیں سمجھتے تھے اور اپنے مقابلہ میں سب کو پیچ جانتے تھے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں نہایت شان و شوکت کے

ساتھ بیدھڑک بولتے تھے معمولی اونٹ اور بکریاں چرائیوالا ایسا بربستہ کلام کہتے تھے کہ دوسروں کو بہت فکر و تامل کے بعد بھی ویسا کہنا مشکل تھا چند جملوں میں جذبات کو برا نگینہ کر دیتے، جب بولتے تو رد کی طرح گرجتے، بجلی کی طرح کڑکتے بارش کی طرح بستے تھے اور تھوڑی سی دیر میں گہے بآب گہے بآنش کا سماں کھینچ دیتے تھے بغرض کہ لے دیکر ان کے پاس اگر کوئی چیز تھی تو صرف زبان تھی ویسے کوئی طریقہ باقاعدہ تصنیف نہ تھا، درسگاہیں نہ تھیں، کتب خانہ اور لائبریریاں نہ تھیں۔

اب سوچو کہ اگر ایسے ملک میں کوئی ذہین اور صاحب ثروت بھی ہو تو کیا مختلف علوم و فنون کا سیکھنا اس کے لئے عاۃً محال نہ ہوگا پھر جب اس کے ساتھ دوسرے قدرتی اسباب بھی ایسے جمع ہوں جن کے ہوتے ہوئے سیدھی سادی زندگی بسر کرنا اور معمولی کفایت بھی مہیا کرنا مشکل ہو جاوے جیسا کہ ولادت سے پہلے والد کا انتقال اور بحالت رضاعت والدہ کی وفات۔ پھر چچا کی پرورش میں چلے جانا اور اسی طرح چالیس برس کی عمر کو بے سروسامانی میں بسر کرنا، کبھی قلم کو ہاتھ بھی نہ لگانا نہ کسی استاد کے سامنے کتاب کھولنا ان سب علامتوں کو دیکھ کر عاۃ اللہ (جس کو آج کل کے لوگ قانون قدرت بھی کہتے ہیں) یہ ہی بتلاتی ہے کہ ایسا شخص ابواب تہذیب تمدن اور معارف الہیہ اور حقائق توحید ذاتی و صفاتی و انفعالی اور علوم ہدایت ائم و اقوام میں کوئی سیدھی بات بھی نہ کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیات بنیات لوگوں کے سامنے پیش کرے جس کو دیکھ کر ارباب فنون اور علمائے متبحرین حیران رہ

جائیں۔ بلکہ دنیا کے بڑے بڑے عقلا اور حکما اس کی چوکھٹ پر سر دھننے لگیں اور جن دن اس کا مثل پیش کرنے سے صریحاً عاجز و در ماندہ ہو جائیں۔ جب ایسے حالات میں ایسا کلام ہم دیکھیں گے تو ضرور اس کو خدائی کلام کہنے پر اندر سے عقل و انصاف و تجربہ مجبور ہونگے دوسرا سوال بھی مذکورہ بالا بیان سے حل ہو گیا کہ جب ملکی اور قدرتی حالات ایسے ہوں جن کے ہوتے ہوئے ایک فارغ البال اور خوشحال آدمی بھی اکتسابِ علوم اور تحصیلِ فنون سے عاجز ہو تو ایک بیسرو سامان کے لئے ایسی اعلیٰ تعلیم کہاں سے میسر ہو سکتی تھی آپ کی سوانح سب کو معلوم ہے کہ طفولیت ہی میں یتیم ہوئے اور ہوش سنبھالنے کے بعد بعض ابواب معیشت اور دیگر افکار میں مبتلا ہو گئے ہاں پیدائشی طور پر جو بہت ہی شدید اور قوی داعیہ طلبِ حق اور معرفتِ الہیہ کا آپ کے قلب مبارک میں موجزن تھا اور جو سخت نفرت اور بغض آپ کو فطری طور پر رسومِ شرکیہ اور فحشا و منکرات سے تھا وہ آپ کو قبل دانقطاعِ خلایق، اور یکسوئی اور عزت گزینی کی طرف کراتھا چنانچہ آپ کبھی کبھی کئی کئی دن تک تمام انسانوں کے جوار سے علیحدہ ہو کر غاروں اور پہاڑوں میں خلائے و حدہ لاشریک لہ کو یاد کرتے اور اپنی کائنات کے موافق اس کی عبادت کیا کرتے تھے جہاں انسان کا گذر تو کیا کوئی پرندہ بھی پر نہ مارتا تھا۔ تاریخ کی نہایت ہی معتبر اور محفوظ روایتیں جن سے بڑھ کر کوئی وثوق کی چیز تاریخ کے خزائن میں نہیں مل سکتی۔ بتلاتی ہے کہ آپ حرا کی چوٹی پر جسے جبل النور کہتے ہیں، کئی کئی دن تہارہ کر اس وحدہ لاشریک کی معرفت کی طرف قدم اٹھاتے تھے کوئی شخص ان چند ایامِ خلوت میں بھی یہ ثابت نہ کر سکا کہ آپ

کے پاس خفیہ طور پر کوئی معلم جاتا تھا اور وہ آپ کو کتاب پڑھاتا تھا۔ ایسے حالات میں نزول قرآن سے پہلے آپ کے تعلیم یافتہ ہونے کا ادعا کس قدر بے دلیل بات ہے قرآن نے صاف صاف اعلان کر دیا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ
وَلَا تَحْضُرُ بِيَمِينِكَ إِذْ أَلَّا تَرَى
الْمُبْطِلُونَ ۝

قرآن شریف سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا
تھا نہ اپنے واسطے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ اگر ایسا
ہوتا تو البتہ اہل باطل شبہ میں پڑتے۔

نبوت سے پہلے ایک دفعہ بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ اور ایک مرتبہ جوانی میں دوسرے رفیق کے ساتھ آپ کو شام کی طرف بغرض تجارت چند روز کے لئے سفر کا اتفاق ہوا۔ بحیرا راہب نے اسی سفر میں آپ کو دیکھا اور آثار شد و صلاح اور علامات نبوت دیکھ کر حضور کے تابناک مستقبل کیمتلق کچھ پیشین گوئی بھی کی لیکن جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے پڑھنا پڑھانا تو درکنار کوئی شخص تاریخ سے ایک شہادت بھی اس بات کی پیش نہیں کر سکتا کہ اس چند ساعت کی صحبت میں آپ نے ایک کلمہ اور ایک حرف بھی بحیرا یا کسی اور راہب یا قیس سے سیکھا ہو اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو سب سے پہلے قافلہ والوں کو اور بحیرا کے متبعین کو اس کی خبر ہوتی اور وہ بڑے زور شور سے اپنی تاریخوں میں درج کرتے کہ محمد معاذ اللہ فلاں راہب کے شاگرد ہیں۔ حالانکہ صفحات میں اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ تیسرے سوال کے متعلق یہ کہنا ہے کہ اگر مدعی الہام ایسا ہو کہ اس نے باقاعدہ علوم و فنون کو حاصل کیا ہو اور اپنی سادہ زندگی میں اس کی فصاحت اور علمی قابلیت بھی مشہور ہو چکی ہو اور اس کے پاس

ایسا سامان موجود ہو جس کی وجہ سے وہ تصنیف تالیف پر قادر ہو جائے۔ بعد
وہ ایک نفیس کتاب کو لکھ کر اس کے الہامی ہونے کا دعویٰ کرنے کی
گنجائش ہو سکتی ہے۔

کیا فیضی کی تفسیر اور سعدی کی گلستان کو معجزہ کہہ سکتے ہیں
آپ نے سنا ہوگا کہ قرآن کے مقابلہ میں بعض خوش فہم فیضی کی بے نقط
تفسیر اور سعدی کی گلستان کو پیش کر کے یہ کہا کرتے ہیں کہ جس طرح ان دونوں کا
جواب آج تک کوئی نہ کہے سکا۔ اسی طرح اگر قرآن کا جواب بھی کسی نے نہ دیا تو
وہ معجزہ کیونکر ہو سکیگا اور اگر وہ معجزہ ہے تو فیضی کی بے نقط تفسیر اور سعدی
کی گلستان بھی معجزہ ہوگی۔

اس کا جواب

حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ سعدی اور فیضی دونوں کے پاس سامان تعلیم و
تالیف کس قدر موجود تھا۔ کتنے عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں
مدرسوں میں پڑھے رہے، راتوں کو جاگے، مدتوں محنتیں کیں، سالہا سال کی
محنتوں اور دماغ سوزیوں کے بعد اگر بالفرض، فیضی یا حریری یا تبنی یا کوئی
اور عربی میں۔ سعدی فارسی میں، ملٹن انگریزی میں، یا ہومر یونانی میں، یا
کالیداس سنسکرت میں ایسے ہوئے کہ ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو
گیا تو کوئی تعجب کی جگہ نہیں۔

خدا کے کلام معجزہ کی تعریف میں میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ اسباب متعارفہ
کے توسط کے بدین صادر ہونا چاہیے، کیا ان لوگوں کی باقاعدہ تحصیل علوم۔

استادوں کے ساتھ طویل ملازمت، و ہم نشینی، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاقی اور جدو کدان کے جاننے والوں سے مخفی ہے؛ اور کیا فائق کلام بولنے یا لکھنے کیلئے یہ ظاہری اسباب نہیں ہیں، اگر ہیں اور ضرور ہیں تو ان کے کلام کا فائق ہونا بلا سبب متعارف کے ظاہر نہ ہوا بلکہ اتنی خاک جاننے اور مصیبت بھگتنے کے بعد اگر ان کا کلام ایسا نہ ہوتا تو خلافتِ عادت ہونے کی وجہ سے موجب تعجب ہو سکتا تھا لہذا فیضی کی تفسیر کا ایک خاص صنعت بے نقط ہونے میں تفوق محل تعجب نہیں تعجب یہ ہے کہ جس نے کتاب اور کاغذ، قلم، دوات کو چالیں برس تک ہاتھ نہ لگایا نہ کسی در سگاہ میں قدم رکھا، اس نے وہ کتاب دنیا کے سنے پیش کی کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس کے اوپر قربان ہو جانا اپنا فخر سمجھ اور سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے بلکہ وہ اور ان سے زیادہ با کمال ہستیاں اپنی ہستی اور کمالات کا سرچشمہ بھی اسی نور مجسم اور اسی کتاب مقدس کو سمجھتے ہیں۔ دیکھو خود حضرت سعدی بوستان کے دیباچہ میں قرآن لانیوالے پیغمبرؐ کی نسبت کیا فرماتے ہیں یہ اشعار

کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
ہمہ نور ہا پر تو نور اوست
کتب خانہ چند ملت لشت
تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل
دگر ہرچہ موجود شد فرع تحت

خلافت پیغمبر کے رہ گزیدہ !!
مپندار سعدی کہ راہ صفا
کلیمے کہ خراج فلک طور اوست
یقیمے کہ ناکر وہ قرآن درست
بلند آسماں پیش قدرت نخل!
تواصل وجود آمدی از تحت

ندامت کرا میں سخن گوئمت
ترا عز لولاک تمکین بس است
چہ وصفت کند سعدی نام تمام
اور فیضی جس کو قرآن کے محالیت بطور ایک غیر مجروح گواہ کے پیش کرتے
ہیں اپنی تفسیر کی ابتدا میں اس نبی امی کی کتاب کو خدائی کلام مانتے ہوئے
اور اس کے سامنے تمام علوم و کتب کو (خواہ فیضی کی ہوں یا سعدی کی)
بیچ بلکہ محض درد سر قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

العلوم کلھا صداع الاعلم
کلام اللہ و کلام اللہ لاحد
لمحامدہ و لاحد لمکارمہ
ولا حصر لرسومہ و لا احصاء
لعلومہ و ما علم کلام
اللہ کلھا احدا لا اللہ و رسولہ
و اولو العلم ما علموا
الاعداد۔

کلام اللہ کی معلومات کے علاوہ تمام علوم درد
سر ہیں اور کلام اللہ کے حامد کی کوئی تعداد
نہیں نہ اس کی مناقب کی کوئی انتہا ہے اس
کی صداقت کے نشان غیر محصور اور اس کے علوم
بے شمار ہیں جو علوم کلام اللہ میں موجود ہیں ان
سب پر سوا ہی خدا اور اس کے رسول کے کسی کا
احاطہ نہیں تمام اہل علم کو جو کچھ ہاتھ آیا وہ ایک
محدود حصہ ہے۔

پس جب فیضی اور سعدی بھی خود اپنے اقرار کے موافق اس نبی امی صلعم
کے ولستان علم و حکمت میں ایسے ہیں جیسا کہ ایک شیر خوار بچہ سمندر کے
کنارہ پر لیٹا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا ہو جس کے ہاتھوں کو کبھی کبھی ایک دھڑ
بوند پانی کی لگ جاتی ہو تو اب سعدی کی گلستان یا فیضی کے کلام کو کلام اللہ

کے مقابل لانا نہ صرف فیضی اور سعدی کا استہراز اور شاہد کی ضمیر کے خلاف شہادت
 دلانا ہے، بلکہ حدودِ جہ کی بے حیائی سے مدعی سست اور گواہ چست کے طور پر یہ
 اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا کرنا۔ علاوہ اس کے ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ کیا
 فیضی اور سعدی نے یہ آواز بھی لگائی تھی کہ تمام دنیا مل کر میری کتاب کی گلا
 یا جہز مثال پیش کرے اور کیا پھر یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ ہرگز پیش نہ کر سکے گی
 کیا انہوں نے کسی ایک آدمی کو بھی اپنے مقابلہ کے لئے ابھارا، عار دلائی، مجبور
 کیا کہ وہ ناچار سامنے آئیں اور ایسے سامان مہیا کئے کہ ان کو خواہی نخواستہ
 کشاں سامنے آنا پڑتا اور وہ مجبور ہوتے کہ فیضی اور سعدی کے کلاموں کا معیار
 کریں اور فرض کر دے کہ سعدی وغیرہ تہدی اور مبارزہ بھی کرتے اس پر بھی کوئی،
 میدان میں نہ آتا تو یہ بھی بجز کی دلیل نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ممکن تھا کہ
 دنیا ان کا مقابلہ کرتے ہیں کوئی عظیم نفع یا نہ کرنے میں کوئی عظیم نقصان نہ
 سمجھتی اور اس لئے اس دعویٰ سے بے التفاتی اور استغنا برتی مگر برخلاف اس
 کے قرآن نے شروع ہی سے دعویٰ کیا کہ میل مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ غیرت
 دلائی جنھوڑ جنھوڑ کر اٹھایا۔ چابک مار مار کر معارضہ کے لئے کھڑا کیا۔

قرآن کی طرف سے مقابلہ کا پرزور چیلنج

اور کہا کہ میرے جیسی ایک چھوٹی سی سورت سب مل کر بنا لاؤ اور اسی
 پر فیصلہ ہے اگر نہ لاسکو اور ہماری دعویٰ یہ بھی ہے کہ کبھی نہ لاسکو گے تو پھر
 مجھے خدا کا کلام تسلیم کر دو ورنہ اس ابدی عذاب سے ڈرو جو منکرین کے لئے

تیار ہے، اب دیکھئے کہ چیلنج کس زور کا تھا اور کتنے بھاری نفع یا نقصان کا سوا
تھا کیا ایسی حالت میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگوں نے توجہ نہ کی ہوگی یا پوری
ہمت اور قوت سے مقابلہ کے لئے نہ نکلے ہوں گے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ
پوری توجہ اور پورا اعتنا کیا گیا کیسے کہا جائے کہ توجہ نہ کی گئی ہوگی، جب کہ
آپ کے پیچھے پیچھے آدمی دوڑتا تھا کہ اسے لوگوں پر مجنون سے اس کی بات نہ سنو
تاکہ آپ کا اثر کہیں جمنے نہ پائے آپ کی ہلاکت کی کوشش کی گئی آپ پر ہر قسم
کے حملے کئے گئے، آپ کے قتال کے لئے بڑے بڑے العاموں کا اعلان ہوا،
اور جب آپ کا اثر برق رفتاری سے بڑھتا گیا اور آپ کی صداقت و حقانیت اور
صبر و استقامت کو دیکھ کر ہزار ہا نفوس آپ کے گردیدہ ہو گئے اور آپ کے
حریفوں کے خاص خاص لوگ بھی ان سے ٹوٹ کر آپ کے حلقہ بگوش غلام بن گئے
خاندان کے خاندان داخل اسلام ہونے لگے بعض بڑے بڑے متمول اور معزز لوگ
عیسائیت و عشتروت چھوڑ کر آپ کے پاس پہنچے۔ پیارے پیارے بچوں اور عورتوں کو
خیر باد کہہ کر فقیرانہ حالت میں نہایت بے سوسامانی کے ساتھ آپ کے قدموں
میں آڑے اور سخن کٹھن اور خطرناک زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے کہ بشر سے
اس کا تحمل سخت دشوار تھا تو آپ کے مخالفوں نے غیض و غضب سے بیتاب ہو
کر جنگ و جدال اور معرکہ آرائی شروع کر دی، تلواریں اٹھائی گئیں۔ صف آرائیاں
ہوئیں۔ خون کی ندیاں بہائیں۔ جانیں گنوا دیں۔ خویشیوں اور عزیزوں کے سر
کٹوائے۔ مال و متاع کو برباد کیا تاکہ کسی نہ کسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
مغلوب کر لیں۔ ادھر سے بہت سہل آسان طریقہ مغلوب بلکہ اثر کے کلیتہً معدوم

کر نیکاً یہ بتایا گیا کہ صرف تین آیت کی برابر ایک چھوٹی سی سورت اسی شان کی لے آؤ جس شان میں قرآن تمہارے سامنے ہے تو ہم خود بخود تمام تحریک کو ختم کر کے اپنی جماعت بلکہ اپنے آپ کو بھی تمہارے حوالے کر دیں گے۔ پھر مقابلہ کی اس آسان اور سہل ترین تدبیر کے ساتھ اور بھی رنگارنگ سہولتیں بلکہ ہر ممکن آسانی بھی ان کے لئے بہم پہنچا دی۔ چنانچہ جب چیلنج دیا تو یہ نہ کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ان جیسے ایک اُمی کو منتخب کرو بلکہ سب کے سب مل کر حقینے فصیح و بلیغ تعلیم یافتہ قبائل ہیں سب جمع ہو جاؤ۔ اتنے پر بھی بس نہیں، تمام دنیا کے انسانوں کو بھی جمع کر لو۔ بلکہ ان لوگوں کے ساتھ دوسرے مخلوق کو بھی شامل کر کے ایک سورۃ بنا لاؤ تو نہ تنوار اٹھانے کی ضرورت ہو گی، نہ خون بہانے کی حاجت باقی رہے گی، نہ سلطنتیں اور سرکاریاں تباہ ہوں گی، نہ سازشیں کرنا پڑیں گی اور ساری تدابیر اسی ایک سہل بات پر ختم ہو جائیں گی، پہلے گزر چکا ہے کہ وہ اس قدر بولنے والے تھے کہ بولنے میں اور زبان کی فصاحت میں اپنے سوا تمام دنیا کو گوزگا سمجھتے تھے جو صاف دلیل ہے کہ ان کے پاس مقابلہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز آسان اور سہل نہ تھی مگر ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں، دماغ مفلوج ہو گئے، جوارح معطل ہو گئے، لیکن اس سہل ترین اور فیصلہ کن مقابلہ کی تاب نہ لاسکے۔

لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا كَا جَوَابِ

کبھی کبھی زبان سے یہ بھی کہتے تھے:-

اگر ہم چاہتے تو اس جیسا کلام کہہ دیتے

كَوْلُنَا مِثْلَ هَذَا

یعنی نہ ہم نے چاہا نہ کہا۔ مگر کیوں نہ چاہا، اس لئے کہ اپنی عزت اور آبرو اور قرآن کے سامنے اپنے عجز اور کمزوری کی پردہ پوشی صرف اسی صورت میں دیکھی اگر وہ جھوٹ موٹ کہہ دیتے کہ یہ ہمارا کلام قرآن جیسا ہے تو کہنے والے کی زبانی دانی اور فصاحت اور تصدیق کر نیوالوں کی سخن شناسی اور سخن فہمی پر ایسا سخت بدنما داغ لگتا کہ وہ کسی بزم سخن اور محفل ادب میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اور دنیا ان کا تمسخر اڑاتی اس وجہ سے یہ ہمت کسی نے نہیں کی بلکہ جب مضطر ہوئے تو یوں ٹال دیا کہ اگر ہم چاہتے تو کہہ دیتے مگر عینے چاہا ہی نہیں لیکن اس کا فیصلہ ہر عاقل خود بخود سابقہ واقعات کو ملحوظ رکھ کر کر سکتا ہے، کہ کیا انہوں نے چاہا یا نہیں، چاہا۔

بھائیو! کیا یہ ممکن ہے کہ خود تمام مصیبتیں برداشت کریں اور دوسروں کو بھی ہر ایک مصیبت میں ڈالیں، قرآن پڑھنے والوں کے خلاف بادشاہوں کے پاس ہزار ہا مانگیں۔ ہر قسم کی سازشیں کریں لوگوں کو قرآن سننے سے روکیں اور خود اقرار کریں کہ اس آواز سے ہماری عورتیں اور بچے مفتون ہوئے جاتے ہیں قرآن ان کے مذہبوں پر ایسی کاری ضرب لگائے، ان کی سرشاریوں کو خاک میں ملا دے، ان کے کبر و نخوت کے طلسم کو توڑ دے ان کی معبودوں کی حکومت میں زلزلہ ڈال دے، ان کے جتھے توڑ ڈالے، انکی فوجیں پراگندہ کر ڈالے، بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، دوست کو دوست سے، غرض آدمی کو کل محبوب چیزوں سے چھڑا کر صرف اپنا ہی ٹالہ و شیدا بنالے، مگر وہ برق زبانی اور شیوا بیانیوں کے مدعی زبانیں سی کر اور

لسوں کو بند کر کے چپ بٹھے رہیں۔ اور باوجود ایسے مذاہب البیان اور قادر الکلام ہونے کے دو چار جملے بنانے کی خواہش بھی نہ کریں۔

قرآن کسی ایک آدمی یا کمیٹی کا بنایا ہوا کلام نہیں

جب کوئی بات نہ بن پڑتی تھی اور قرآن کے علوم کو محمد امی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے تطبیق نہ دے سکتے تو کہتے انما یعلم بشر۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کوئی دوسرا آدمی تعلیم دیتا ہے اور یہ اشارہ ایک شام کے نصرفی کی طرف تھا اس کا جواب بھی قرآن نے ایسا دیا کہ دنیا پر واضح ہو گیا کہ یہ مقولہ بھی نہایت بے بسی کی حالت میں ان سے صادر ہوا تھا۔

لِسَانَ الَّذِي يُلْحِدُونَ

یعنی یہ لوگ کج روی سے جس شخص کی طرف قرآن کی

إِلَيْهِ أَهْجَبُوا وَهَذَا لِسَانٌ

نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجیبی ہے اور یہاں ایک روشن

عربی صیغہ

اور فصیح زبان عربی کے مقابلہ کا چیلنج دیا جا رہا ہے۔

جس سے بڑے بڑے قریشی عرب جان چراتے ہیں وہ عجیبی غلام اسے کیا جانے

کبھی کبھی بالکل ہی بدحواس ہو کر کہہ اٹھتے تھے۔

إِنَّ هَذَا إِلَّا أَفْكٌ مِنَ الْقُرْآنِ

یہ قرآن اس کے سوا کچھ نہیں کہ (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وَأَعَانَتْ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ

کی اختراع (گھرنٹ ہے) جس کی تصنیف میں دوسرے

جماعے نے اس کی مدد کی ہو۔

دیکھو کہیں قدر مذہبی حرکات ہیں بے ساختہ زبانوں سے نکل جاتا ہے کہ

ایک انسان سے ایسا کلام ممکن نہیں کہ بن پڑے۔ ہونہ ہو یہ کمیٹی کا کام ہو گا

اس کا جواب بھی مسکت اور وزن شکن دیتے ہوئے فرمایا۔

فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا
اے ایسا ظلم اور دن دہاڑے ایسا سفید جھوٹ۔

اگر بالفرض ہمارے پاس کمیٹی ہے تو تم اس سے زیادہ آدمیوں کی کمیٹی بنا سکتے ہو تم کو تو تمام جن انس کی کمیٹی بنانے کی اجازت دی ہے۔ پھر جب تمام انسانوں کے جمع کرنے کی تم کو اجازت دی گئی تو تم ہم سے دعویٰ کیسا تمہیں اس کمیٹی کے تمام افراد بھی اگر تمہیں معلوم ہوں مانگ لو جو تمہارے کہنے کے موافق ہمارے پاس ہے اسلئے کہ وہ بھی انسانوں میں داخل ہیں جن کے جمع کرنے کی تمکو مہلت دی گئی ہے باوجود اس قدر وسعت اور آسانی بہم پہنچانے کے بھی اگر مقابلہ کلام ایزدی کا نہ کر سکے اور نہ کر سکو گے اور یہ بھی مطالبہ نہ کیا کہ تم فلاں فلاں آدمی کو ہمارے ساتھ دیدو جن پر تمکو خیال ہے کہ وہ کمیٹی کے ارکان ہیں تو سمجھ لو کہ یہ محض شہرت اور ظلم اور دروغ بے فروغ ہو گا کہ قرآن کی تصنیف کسی مجہول الحال کمیٹی سے منسوب کرتے رہو۔

قرآن کسی ایک شخص یا کمیٹی کا کلام نہیں ہو سکتا

پھر کیا کسی کمیٹی کا پنچائتی کلام ایسا ہو سکتا ہے ہا آپ نے بڑے بڑے فصیح البیان اور عمدہ بولنے والے بھی دیکھے ہونگے کیا کوئی ایسا لکچرار آپ کی نظر میں ہے جو ہر ایک مضمون کے بیان پر یکساں بولنے کی قدرت کر سکتا ہو کوئی آدمی ہر مضمون کے بیان پر یکساں قدرت نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ بڑے بڑے قصیدوں میں وہ ہی چار اشعار منتخب ہوتے ہیں اس لئے کہ کسی متکلم کو ہر مضمون

پر پوری قدرت نہیں ہوتی چنانچہ علمائے ادب کا اعتراف ہے کہ امر و ایقان
گھوڑوں کی تشریح اچھی کرتا ہے نابغہ خوف و خشیت میں اعستی شراب کی طلب
اور تشریح میں نہ میرزہ غبت و دربار میں اچھا لکھتا ہے۔ جیسے نظامی و فروسی
رزم و بزم میں سعدی و عطا و پند میں تفوق رکھتا ہے۔ لیکن دوسرے فن میں
جا کر ان کی ساری جولانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ بوستان میں ایک جگہ جنگ کی
کہانی آگئی وہیں سعدی کی زبان سست پڑ گئی بوستان کے پانچویں باب
میں اس حکایت کو دیکھ لو کہ نظامی اور فروسی کے مقابلہ میں سعدی کا کلام کس
قدر چمپھسا ہے کیونکہ رزمیہ کلام لکھنا سعدی کا فن نہیں تھا کسی مشہور سے
مشہور شاعر کا دیوان، یا کسی مسلم سے مسلم عالم اور حکیم کی کتاب کیف ما اتفق
اٹھا کر پڑھ جاؤ اول سے آخر تک یکساں زور قائم نہیں رہ سکتا۔

قرآن کو اول سے آخر تک دیکھ لو کس قدر مضامین مختلفہ کی رُس ہے،
جو کہ نہایت روانی، سلاست آب و تاب اور شان و شوکت سے برہمی ہے اور ہر مضمون
کو کس قدر اور جزالت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہیں معاش کا بیان
ہے۔ نکاح و طلاق کے قواعد کی تعلیم ہے۔ کہیں فرائض میت تقسیم کی جاتی ہے
کبھی نماز روزہ کا وعظ ہے کبھی جہاد کا بیان ہے لڑائی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں
کہیں سنین ماضیہ کے تاریخی واقعات ہیں، کبھی دلوں کو رلائو والی پند و نصائح
بیان کی جاتی ہے کبھی بہشت کا تنعم سامنے ہے، کبھی دوزخ کا عذاب یہ سب
کچھ ہے مگر طرز بیان میں کوئی سستی نہیں کمزوری نہیں انحطاط نہیں ہر موقع
پر اقرار کرتا پڑتا ہے کہ اس کے مقابلہ سے تمام جن و بشر عاجز ہیں اور ہر جگہ زبان

پر آتا ہے کہ ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست
 اول سے آخر تک ایک ہی اسلوب اور ایک ہی طرح کا زور اور ایک ہی
 رنگ ڈھنگ اور سارے کلام کی یہ یکسانیت ہی پتہ دے رہی ہے کہ یہ کسی
 مخلوق یا کمیٹی کا کلام نہیں بلکہ یہ اس کا کلام ہے جس کی صفات سب کی سب
 کامل، غیر تبدیل، لازوال اور نقص و فتور سے منزہ ہیں۔

وَلَوْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا
 اور اگر (قرآن) خدا کے سوا کسی اور کے پاس (آیا) ہوتا
 تو ضرور اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

خدائی کلام سے خدائی شان ٹپکتی ہے

پھر دیکھو اول سے آخر تک تمام مضامین نہایت شوکت اور کبر و عظمت
 بھرے الفاظ اور زور دار لہجہ میں ادا کئے گئے، اگر یہ کلام اس بشر کا ہوتا جس
 کی زبان سے ہم تک پہنچا تو اس کی منظومیت اور دشمنوں کی اس پر مختلف
 چڑھائیاں تو سب کو معلوم ہیں، ناممکن تھا کہ اس کلام کے اندر کہیں نہ کہیں ظالموں
 کے سامنے رتلاق، خوشامد، مدائنتہ، بیچارگی اور مرغوب ہونیکے آثار موجود نہ
 ہوتے جن کا نام و نشان بھی قرآن میں اول سے آخر تک موجود نہیں۔ بلکہ
 جس زور و شور اور خدائی شوکت سے شروع ہوا اسی تک و اختتام اور زور کے

ساتھ ختم ہوا۔
 اگر کسی نے قرآن کا معارضہ کیا ہوتا تو اس کا ضائع ہونا محال ہے
 ممکن ہے کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ شاید قرآن کی نظیر پیش کی گئی ہو مگر وہ باقی

نہ رہی ہوتی کہتا ہوں کہ ایک مظلوم اور بے یار و مددگار کا کلام تو اب تک کے بے
 موجود ہے مگر عرب کے بڑے بڑے رئیسوں بلکہ دنیا کے تمام باطل مذاہب و مل
 کی دلی تمنا جس کلام سے پوری ہو جاتی وہ باقی نہ رہے۔ کیا اسے عقل سلیم باور کر
 سکتی ہے؟ پھر جب کہ موافقوں سے تعدا کہیں زیادہ ہو گئے زمین پر دشمن
 پھیلے پڑے ہوں جو ہر آن ایسی چیز کے تجسس میں آغاز اسلام سے آج تک ہے
 جو قرآن کی اس دعویٰ کو ٹھنڈا کر دے۔ میلہ کذاب نے قرآن کے سامنے منہ
 چڑھایا تھا وہ تاریخ میں موجود ہے۔ باوجودیکہ وہ بہت زیادہ گندا اور بدبو دار
 اور رکیک اور خلاف تہذیب کلام ہے مگر وہ بھی اب تک باقی ہے۔ یعنی

الحرثان اللہ خالق النساء افراجا فنو لجهن ابلا جا

مورخوں نے لفظ لفظ کو محفوظ رکھا۔ جب ایسے رکیک اور ناشائستہ کلام کو
 بھی ضائع نہ ہونے دیا تو کسی اچھے کلام کو اور وہ بھی ایسا اچھا جو فرض محال
 قرآن سے بھی اعلیٰ اور برتر ہو کس طرح ضائع کیا جاسکتا تھا اگر قرآن سے بہتر
 فصیح اور بلیغ کلام ادبی لٹریچر سے کم ہو گیا تو قرآن کا یہ دوسرا اعجاز ہو گا کہ
 وہ اپنے سے غالب اور قوی کو بھی اس طرح فنا کر ڈالتا ہو کہ آج صفحہ ہستی
 پر کوئی اس کو زبان پر لانے والا بھی نہیں۔

عربی نہ جاننے والے کس طرح قرآن کی فصاحت کو پہچان سکتے ہیں
 شاید کہو گے کہ ہم تو عربی نہیں جانتے ہماری سمجھ مہیا کس طرح قرآن کا
 اعجاز آئے، تو یاد رکھو کہ ہر فن میں اس کے اساتذہ اور ماہرین کے فیصلہ کے
 آگے سر جھکانا پڑتا ہے پھر عربی زبان آج بھی زندہ زبان ہے۔ سنسکرت کی

طرح مردہ نہیں، بیڑت، مصر، قاہرہ وغیرہ میں اس وقت بھی بہت سے ایسے
 نصاریٰ اور یہود موجود ہیں جن کے مقابلہ میں بڑے بڑے ادیب قلم نہیں
 اٹھا سکتے۔ انہوں نے عربی زبان میں عجیبے غریب کتابیں لکھی ہیں اگر تم نہیں
 جانتے تو جاؤ ان ہی سے کہو کہ ایک سورۃ قرآن کے جواب میں بتا کر دیدیں
 وہ بھی اسلام کے دوست نہیں۔ بلکہ تم سے بڑھ چڑھ کر اس کے دشمن ہیں ہر ممکن
 سعی سے وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں مگر یہ حوصلہ آج تک نہ کسی فرد کو ہوا
 نہ کسی انجمن کو کہ قرآن کے چہارہ صد سالہ چیلنج کو منظور کرتا وہ اسی میں اپنی
 لیاقت اور عزت سمجھتے ہیں کہ اس طرف کا قصد نہ کریں تم بھی لاکھوں روپے شدھی
 سمجھاؤں پر صرف کر سے ہو جس طرح عیسائی اپنے مشنوں پر کروڑوں روپے
 لگاتے ہیں بغداد کی آریہ سماج کو لکھو کہ وہ وہاں کے مشنوں کو یہ مشورہ
 دے کہ سب مل کر قرآن کے جواب میں چند سطر لکھ کر شائع کر دیں مگر ہاں
 بعد میں ان کی فضیحت اور رسوائی کا ذمہ دار تم کو ہونا پڑے گا اس سے بڑھ
 یہ ہے کہ کوئی مضمون قرآن ہی سے لیلو اور اسی قدر مزایا اور لطائف کی
 رعایت کے ساتھ اپنی عبارت میں اس کو ادا کر دو جس قدر مزایا اور لطائف
 قرآن کی عبارت میں مرعی ہیں۔ قرآن کے پیرو تمکو بتلا دیں گے کہ چہرا
 مردہ کو نور آفتاب سے کیا نسبت ہے۔

قرآن کا اصلی اعجاز اس کے انتہائی درجہ کی بلینغاً نظم و اسلوب میں ہے
 نزول قرآن کے وقت بعض لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ سب مختصر ہیں۔

وَيَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

جواب یہ ہے کہ (قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ) اچھا اگر ہر بات کی باتیں نہ سہی تو تم بھی ایسی ہی مفتریات یعنی گھڑی ہوئی باتیں ایسے طرز بیان میں لے آؤ۔ محض ایک شاعرانہ مضمون کے ادوار میں بھی بہت بڑا فرق ہوتا ہے ایک ہی خیال ہے جسکو شاعر ایک رنگ سے ادا کرتا ہے دوسرا اسی میں ایسی لطافت پیدا کرتا ہے کہ پہلے شاعر کا کلام اس کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے۔

ذوق الملک الشعراء سے ایک غزل میں لکھتا ہے کہ

آنکھ سے آنکھ ہے لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا + کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جہل میں مارا

اس خیال کو دوسرا شاعر مکتدرام جس کا نام بھی شاید کسی کو معلوم ہو، ایسی لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ سخن شناسوں کو ناچار اسی کے حق میں فیصلہ دینا

پڑا۔ کہتا ہے کہ

دل کی تہیں تقصیر مکن آنکھیں ہیں ظالم یہ جا کے نہ لڑتیں وہ گرفتار نہ ہوتا

دیکھ لو ذوق کا کلام مکتدرام کے مقابلہ میں کیسا پھیکا پڑ گیا ہے اسی طرح فردوسی نے کہا تھا۔

جہاں را بلندی و پستی توئی ندانم چہ آنچہ ہستی توئی

نظامی نے اس کے مقابلہ میں فرمایا :-

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

پہلے مصرع میں پناہ اور دوسرے میں نیستند نے نظامی کے شعر کو فردوسی

کے شعر سے بلیغ اور بہت صداقت کر دیا۔ فردوسی نے لکھا تھا:-
 زہے بارگاہ زافر اسباب زمشرق بمغرب کشیدہ طناب
 نظامی کہتے ہیں:-

زہے بارگاہ کہ چوں آفتاب زمشرق بمغرب کشیدہ طناب
 دیکھو چوں آفتاب نے شعر کو کیسا مہرمن اور لا جواب بنا دیا ہے اور نہافر
 اسباب کی زد کی ضرورت بھی نہ رہی اردو میں قمر کا شعر ہے:-
 مرن ہجر مرا خاک ہو اچھا تم سے خود میجا ہوا جی اور میں بیمار آنکھیں
 جو بہرنے اس مضمون کو کس قدر خوبی سے ادا کیا ہے:-

آپے اپنا مداد ابھی نہیں ہو سکتا کیسے عیسیٰ ہو کر جب دیکھو میں بیمار آنکھیں
 آنکھوں کے ساتھ لفظ دیکھو دیکھنے کے قابل ہے ناسخ کہتا ہے۔
 شکل نظر نہیں پڑی آیا نہیں پیام بھی عمر ہوئی کہ ایک سی حالت چشم و گوش
 غالب نے اس کو کس قدر چشت اور لطیف بنا دیا۔ کہتے ہیں:-
 نے مژدہ وصال نہ نظارۂ جمال مدہ ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے
 ذوق نے کہا تھا۔

ہزار لطف جو ہیں ہر تم میں جان کیلئے شتم شریک ہوا لون آسمان کے لئے
 کسی استاد نے اسی مضمون کو اس طرح لکھا ہے۔
 چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے تم گاری میں کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں
 سخن شناس سمجھتا ہے کہ دو سر اشعار اول سے باعتبار پاکی الفاظ و حسن ادا
 خوبی ترکیب بالاتر ہے اور الفاظ معشوق و پردہ زنگاری نے اس کے لطف کو

و وبالاکر دیا ہے مومن خاں کہتے ہیں۔

خونبہا قائل بے رحم سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں
اس کے مقابلہ میں ذوق کا کلام ملاحظہ ہو۔

کہتی تھی ماہی بریاں کہ دبیران قضا
داغ دیتے ہیں اسے جبکو درم دیتے ہیں
ظاہر ہے کہ شعر اول میں داغ درم دینا اور خونبہا مانگنا محض ادعا ہے اور دوسرے
شعر میں داغ دینا اور صاحب درم ہونا ثابت ہے، دیکھو یہاں داغ اور درم کا
مضمون لیکر ایسی طرح ادا کیا کہ پہلے کی نسبت شعر نہایت بلیغ ہو گیا۔ یہ چند نمونے
ہم نے اس لئے پیش کئے ہیں کہ یہ ثابت ہو سکے کہ بعض شاعرانہ تخیلات اور مفروض
و مخترع مضامین کے ادایں بھی ترکیب کی بندش اور الفاظ کی چستی اور روانی
اور دیگر لطائف و مزایا کی رعایت سے کس قدر فرق اور تفاوت ہو جاتا ہے،
پس ہم اجازت دیتے ہیں کہ آج بھی سارے فصیح و بلیغ مل کر ایک دو قصے کہانیاں
ہی ایسی عبارت میں پیش کر دیں جو قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے مقابلہ
میں لطیف تر اور فصیح تر ہو گیا اس قدر سہولتیں ادا کرنے کے بعد بھی اگر مقابلہ
عاجز رہے تو یہ اس کی دلیل نہ ہوگی کہ یہ کلام دنیا کے خالق اور مالک کا ہے۔

خدائی کام سے توحید اور خدائی کلام سے رسالت کا ثبوت

میں نے کہا تھا کہ خدائی کام بندوں کے کام سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے
کہ بندوں کو اس جیسے کام پر کوئی دسترس نہیں ہوتی اسی طرح اللہ کا کلام بھی
بندوں کے کام سے الگ پہچانا جاتا ہے کہ ویسا کلام بنانا بندوں کے اختیار اور قبضہ

میں نہیں ہوتا قرآن کریم نے دونوں مضامین پر ایک ہی آیت میں متنبہ فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ -

یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم
والذین من قبکم لعلکم تتقون ہ الذی
جعل لکم الارض قراشا والسماء بناء وانزل
من السماء ماء فاخرج به من الثمرات مریقا
لکم فلا تجحدوا باللہ انشاء وانتم تعلمون
تم کو اور تمہارے اسلاف کو اور تمہارے لئے
زمین کافرش، آسمان کی چھت اور
بادلوں کی بارش درختوں کے پھل جس پر درگاہ
تے بنائے اسی کی عبادت کرو اور اس کا
مثل مت قرار دو۔

یعنی جب خدا کے کاموں کا کوئی مثل نہیں لاسکتا تو خدا کو بھی بے مثل ماننا
ضروری ہے اسی طرح خدائی کلام کا مثل لانے سے جب سب عاجز ہوں تو اس
کو خدا ہی کا کلام یقین کرنا ضروری ہو اور اسی لئے جو بندہ اس کلام کو لایا ہے اس
کی تصدیق بھی ہوتی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی
عِبَادِنَا فَاْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ط
وَ اَدْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقٰٓیْنَ ہ
اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر (قرآن) اتارا
ہے اگر تمکو اس میں شک ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب
خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے اور اپنے اس
دعوے میں، سچے ہو تو اسی جیسی ایک سوۃ (تم بھی بنا)
لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتوں کو بھی بلاؤ۔

ممکن ہے کہ کسی کو یہ ظہان رہے کہ خدائی کاموں کو ہم بظاہر کسی فاعل مختار
سے صادر ہوتے نہیں دیکھتے بخلاف اس کے خدائی کلام کو ہم ایک فی شعور اور باختیار
متکلم انسان کی زبان سے سنتے ہیں اسی لئے ہمارے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ

کلام خواہ کتنا ہی اعلیٰ و ارفع ہو ہم اسے متکلم کی درات منسوب کر دیں۔ جس کی زبان سے ہمارے کانوں تک پہنچ رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ شبہ محض سطحی ہے۔ غور کیجئے کہ اگر ایک چھ سات سال کا دیہاتی بچہ آپ کے سامنے آئے جس کو کسی نے گلستان یا بوستان کا ایک یا عربی یا قاف آنی کا ایک قصیدہ یا حافظ شیرازی کی ایک غزل یا کسی اور بڑے عالم یا حکیم یا شاعر یا خطیب کا کوئی منتخب کلام یاد کر دیا ہو وہ آپ کے روبرو نہایت صاف و صحیح لہجہ میں اُسے زبانی ادا کر دے اور فرض کر دے کہ آپ کو یہ تعین نہ ہو کہ اصل کلام کس کا ہے تو کیا واقعی اس صورت میں آپ محض اتنا دیکھ کر کہ یہ کلام اسی بچہ کے کام و دہن سے نکل رہا ہے یہ یقین کر لیں گے کہ بے شک یہ کلام اسی بچہ کا تصنیف کیا ہوا، اور اسی کے دل و دماغ کا نتیجہ ہوں کہ ایسا کلام بنا سکوں اور اسکے ساری ہستی والے بھی موافق اور مخالفت گواہ ہوں کہ اس بچہ نے کبھی قبل ازیں ایسی اعلیٰ تعلیم اور صحبت نہیں پائی، جو ایسا کلام تصنیف کرنے پر قادر کرے، کیا آپ ان سب حالات کی موجودگی میں بھی برابر یہی کہتے چلے جائیں گے کہ نہیں یہ سب اسی کی تصنیف ہے، کیونکہ بچہ ذی شعور یا اختیار، بولنے والا انسان ہے اور اسی کے حلقوم سے ہم یہ آواز سن رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پرلے درجہ کا بلبڈ، احمق، جاہل اور متعصب بھی اس کی جرأت نہ کرے گا۔ تو ثابت ہوا محض اس قدر دیکھ لینے سے کہ ایک کلام ایک شخص کے کام و دہن سے نکل رہا ہے یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کلام اسی کا ہے خصوصاً جب کہ وہ اپنے سے نفی بھی کر رہا ہو اور اس کا ایک جھوٹ بھی عمر بھر ثابت نہ ہوا ہو اور اس کے حالات زندگی بھی نفی کی تائید

کرتے ہوں اور خود اس شخص کے کلام کا بڑا بھاری ذخیرہ (احادیث) بھی محفوظ اور مدون ہو اور اس میں کا کوئی حصہ باوجود غایت درجہ کی فصاحت و بلاغت کے اس کلام کے کسی حصہ کی ہمہری نہ کر سکتا ہو اور ساری دنیا ویسا کلام پیش کرنے سے تھک چکی ہو اندر میں حالات آپ ہی فیصلہ کریں کہ ایک ایماندار طالب حق کو کیا یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ :-

گرچہ از خلقوم عبد اللہ بود

گفتہ و گفتم، اللہ بود

لاریب اس کی یہی شان ہے۔

بلکہ یہ (قرآن) جو پڑھ کر سنتے ہیں وحی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنَّ

دآسمانی) جو ان پر نازل ہوتی ہے۔

هُوَ اِلَّا وَّحْيٌ يُوحٰی

اور بلاشبہ قرآن کا لایزال و ہی نبی ہے جس کی نسبت سلینکڑوں برس پہلے خبر دی گئی تھی کہ خدا اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالے گا۔

زول قرآن کی وقت نبی کی کیفیت

قرآن جس وقت اترتا تھا یا بالفاظ دیگر جب خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بولتا تھا اس وقت آپ کے حالات بھی عام تکلم اور خطاب کے حالات سے بالکل ممتاز اور جداگانہ ہوتے تھے کیونکہ بشری کالبد کو خدائی صفت کا مظہر بننا پڑتا تھا اور تمام روحانی قوتیں اور ملکوتی طاقتیں جو وحی الیہ میں فطرۃ و ولایت کی جاتی ہے اس مادی عالم سے یکسو ہو کر بلا اعلیٰ اور عالم الغیب کی طرف سمت جاتی تھیں تو بشری خصائص اور ملکوتی قوی کے مجاذب اور

تصادم سے قدرتی طور پر ایسے وقت میں وہ آثار نبی موحی الیہ کے جسم پر طاری ہونے چاہئیں جو عام حالات و اوقات سے مبائن ہوں چنانچہ سیرت نبوی اور احادیث کا مطالعہ کر نیوالوں سے یہ چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں باقی تمام اوقات میں جو مکالمات و مخاطبات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے تھے ان میں ایسے آثار و علامت کلام و نشان نہ تھا کیونکہ اس وقت ایک بشر کا کلام تھا جو اسی کی زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ گو جن علوم و مطالب پر وہ کلام مشتمل ہوتا تھا۔ وہ کیسے ہی صادق اور عمیق بلکہ الہامی ہوں۔

قرآن کی تلاوت کا اثر خود آنحضرت صلی علیہ وسلم پر

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے تھے یا کسی دوسرے سے سنتے تھے تو آپ خود بھی اس قدر متاثر نہ ہوتے تھے کہ خود اپنے کلام کو پڑھ کر اتنا متاثر ہوتا عاودہ متصور نہیں آپ کا چہرہ خوف سے متغیر ہو جاتا، آنکھیں بند ہوتیں۔ گریہ طاری ہو جاتا راتوں کو جب کہ مخلوق بستر استراحت برآرم کرتی تھی، آپ خدا کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے حتیٰ کہ پاؤں سوچ جاتے اور قدموں کا ورم دیکھ کر لوگ رحم کھاتے اور آپ فرماتے اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا لِّلشُّكُوْبَا
ایک ہی آیت کو کئی کئی بار پڑھتے اور روتے تھے۔ غرض قرآن کا جو اثر آپ کی زبان سے سننے والے صحابہ قبول کرتے تھے ان سے زائد آپ پر ہوتا تھا۔ ایک صاحب بصیرت جو خوف خدا کی ذرا سی بھی ٹیں دل میں رکھتا ہوا اتنی ہی بات سے قرآن کی نسبت ایمان لا سکتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں

ہے اور نہ وہ کسی ایسے بشر یا مکئی کی تصنیف ہے جن کا نام اور حال آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر مخفی رکھا ہو۔

قرآن کا اثر سامعین پر کیا ہوا

قرآن نے اس قوم پر کیا اثر ڈالا جس نے اسے نوبت اور تازہ بتازہ پیغمبر صلعم
کی زبان مبارک سے سنا تھا اس سوال کا جواب تاریخ کے ان درخشاں واقعات میں
سے ہے جن کا اعتراف دوست اور دشمن ہر ایک کو کرنا پڑا ہے، دنیا نے جب سے
جنم لیا، آسمان نے جب سے سایہ ڈالا، زمین نے جب سے اپنی پشت پر اولاد آدم
کو اٹھا لیا، کبھی ایسا عظیم ایسا سریع، ایسا مجیر العقول انقلاب چشم فلک نے نہیں
دیکھا ہوگا۔ جیسا کہ مثال انقلاب عرب کی حالت میں بلا واسطہ اور سارے ربع
مسکون کی روحانی حالت میں بالواسطہ اس بمثال خدا کے اتارے ہوئے بمثال قرآن
کی بمثال تعلیم سے نمودار ہوا۔

صاحب آیات بیات لکھتا ہے کہ قرآن حکیم ایک ایسے زمانہ میں اترا جبکہ دنیا
ایک عجیب و وحانی سکتے کی حالت میں تھی اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے
جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی
جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ
اعمال اور بد اخلاقی اور نفاق اور جنگجویی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے مگر
آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس
سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں، برسوں کے بیکے ہوئے خدا کی

راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوتے ہوئے غفلت کی نیند سے سر چونک پڑے جو
 مشرک تھے وہ موحد ہو گئے، جو کافر تھے وہ ایمان لائے جو بت پرست تھے وہ بت
 شکن بن گئے جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھانے جاہلانہ حمیت اور حشیانہ عصبیت کا
 ان میں نام نہ رہا، خاندانی جھگڑے اور شیعینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ نخوت و
 غرور سے خالی ہو گئے اور ان کے دل صبر و توکل علم برداری، زہد و پرہیزگاری اور
 جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے، آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا
 پرست پاک طبیعت، راست باز، نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں
 سے شرک بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو
 گئی اور اس کے بدلے ایک بیچوں و بیچکوں، بے شبہ و بے نموں خدا کی منادی
 پھر گئی۔ بتوں نے عدم کا راستہ لیا۔ بت خانوں کا نشان مٹ گیا، آتش کدے
 ٹھنڈے پڑ گئے، تہلیل کا طلسم ٹوٹ گیا، اوہام پرستی کا باطل خیال باطل
 ہو گیا۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
 إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُودًا
 حق ظاہر ہو گیا اور باطل مغلوب اور بلاشبہ
 باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے۔

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور درخشان نبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت
 میں سچے رسول اور خدا ہی کی طرف سے موبد تھے ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ
 ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی عادت میں پیدا کر دیتا اور ایسے
 جنگجو ستم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے، اخوت کے ایک
 رشتہ میں باندھ دیتا اور ان کی شیعینی عداوتوں اور کینوں سے ان کے دلوں

کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا، بلکہ دنیا میں ان کو اخلاق اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔ سرور کائنات صلعم کی ہدایت کی ایسی عجیب و غریب تاثیر اور ایسے حیرت انگیز نتائج کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ درحقیقت یہ بات بشری قدرۃ سے خارج تھی جس کی وجہ تھماہ کبھی کسی نے نہیں پائی، کوئی لکھتا ہے کہ قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب کے رہنے والے ایسے بدل گئے۔ جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو متعصب سے متعصب عیسائیوں کا یہ اقرار ہے کہ دین مسیحی کی ابتدا سے آنحضرت صلعم کے وقت تک کبھی حوۃ روحانی ایسی برانگیختہ نہیں ہوئی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی۔

خدا نے جس سے کلام کہہ یعنی اس پر اتارا اس کی

فہم و اخلاق کا کیا حال تھا؟

اب قرآن کے کلام الہی ہو سکنے پر ایک اور طرف سے بھی غور کرو، وہ یہ کہ خداوند اکبر نے جس کی زبان سے کلام کیا اس کی فطرۃ کیسی تھی، پیدائشی طور پر اس نے دل و دماغ کیسا پایا تھا، فہم کے ساتھ، اخلاق کیسے تھے کس قسم کے ہوں و حواس تدبیر و تیقظ انسانی ملکات باطنی خصائل ظاہری شمائل پر وہ سطور مخلوق ہوا تھا، دنیا کے چھوٹے چھوٹے راجہ اور سلاطین بھی باوجودیکہ وہ ہم ہی جیسی، انسان ہیں۔ تھوڑی سے فانی عزت اور ناپائدار خودداری کے تخیل میں ہر کس و ناکس کو منہ نہیں لگاتے۔ نہ ہر ایک کو اپنی مسند قرب ہمنشین پر جگہ دیتے ہیں نہ ہر ایک کو ہم کلامی کا شرف بخشتے ہیں نہ ہر ایک کی زبان سے بولتے اور

تقریر کرتے ہیں۔ مخصوص اشخاص ہوتے ہیں جن کو مجالست اور مکالمت اور ترجمانی کا حق دیا جاتا ہے یا بطور معتمد خاص یا قائم مقام خاص کے نامزد کرتے ہیں، ہر انگریز و اسیرائے نہیں بنا دیا جاتا، ہر ترک پاشا نہیں ہوتا، ہر سویڈین کا یہ درجہ نہیں کہ وائسرائے سے بلا واسطہ گفتگو کر سکے ٹھیک اسی طرح سمجھ لو کہ ہر ایک انسان خدا کا مکلم یا رسول اللہ یا نبی یا اس احکم الحاکمین کا نائب السلطنت بنائے جانے کے قابل نہیں۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ

خدا جس جگہ اپنی پیغمبری (کی مانت سپرد) کرتا ہے

وہ اس جگہ کی محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھیجا

رَسَالَتَهُ۔

خوب جانتا ہے۔

اس بات کا تفصیلاً ذکر کرنا کہ کس قسم کے نفوس حق تعالیٰ شانہ کی ہمکلامی سے مشرف ہو سکتے ہیں میرے لئے مشکل ہے اور وقت بھی اجازت نہیں دیتا کہ میں اسی لمبی بحث کو چھٹیروں اور اپنی بضاعت اور کفایت کے قدر اس کے متعلق کتاب العقل والنقل میں عرض بھی کر چکا ہوں لیکن اجمالاً اس قدر گزارش کر دینا مناسب ہے کہ جو شخص منصب نبوت پر فائز کیا جائے۔ ضروری ہے کہ فطری طور پر اس کی دماغی قوی اور قلبی ملکات اور عام اخلاقی حالات تمام اقران سے اعلیٰ وارفع ہوں، فہم و دانش عزم و استقلال و صبر و ثبات خلوص نیت، ہمدردی و خلاقیت، محنت و جفاکشی اور خدا کی اطاعت و وفاداری کے جذبہ سے اس کا ظاہر و باطن رنگا ہوا ہو۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ان ملکات اور قوی کے فقدان کی صورت میں خدا کے

مع یہ کتاب آپ بارہ پاکستان میں زیر طبع ہے۔ ملنے کا پتہ اداس ۱۵ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

قادر و توانا جس کا علم ازلی تمام ماکان و مایکون کو محیط ہے اپنی بھاری فہم واری اور نیابت الہیہ اور امانت عظیمہ کو کیفیت ما اتفق کسی معمولی انسان کے سپرد کر دینا قرآن کے لانیوالے کی سیرت (لائف) کو جب ہم اس معیار پر کتے ہیں تو ہم کو ناگزیر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آج تک جتنے آدمیوں کی نسبت ملہم اور مکلم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے ان سب میں زیادہ اقدام و احمق اور اس منصب جلیل کا باعتبار اپنے فوق العادۃ قوائی عقلیہ و عملیہ کے دنیا کا وہ سب سے بڑا انسان ہی ہو سکتا ہے جس کو ہم نبی امی اور پیغمبر عربی کے مشہور اور معروف لقب سے یاد کرتے ہیں فداہ و امی اللہ صلی علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اور حالات زندگی اور حضور کی بعثت کا ایک ایک لمحہ ان ضخیم اور مستند کتابوں میں محفوظ ہے جن سے بڑھ کر روایت کے ہاتھ میں کوئی قابل اعتبار اور باوثوق ذخیرہ نہیں ہے آپ کے پیروں نے آپ کی سوانح زندگی اور تمامی اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کو اس قدر اہتمام و استیعاب و دیانت، تیقظ اور شغف سے محفوظ رکھا کہ وہ ایک تنقل فن بن گیا بلکہ اس فن سے پھر کئی فن نکل آئے۔ غالباً کسی اُمت نے اپنی آسمانی کتاب کی بھی حفاظت اتنی نہ کی ہوگی۔ جس قدر اُمت محمدیہ نے اپنے پیغمبر کے حالات کی اور بیشک ایسے نبی کے حالات کی جو اب وہی مذہب اور نہ منسوخ ہونے والا کلام لے کر آیا ایسی ہی حفاظت ہونا چاہیے تھی تا مورو و ور کے بعد بھی کوئی شخص اس ہدایت کے قبول کرتے سے منہ نہ پھیر سکے جسے لیکر آپ تشریف لائے تھے اور یہ حیلہ نہ بنا سکے کہ ہم کو ملہم کے حالات ہی جب معلوم نہیں تو ہم کس طرح پورا پورا

اطمینان کر سکتے ہیں کہ خدا کا کلام لانے والا ویسی ہی عظمت و شان کا انسان تھا جو اس عہدہ جلیلہ کے لئے ضروری ہے۔ حدیث اور سیر کی بیشتر کتابوں کی تلخیص میں اس جگہ نہیں کر سکتا البتہ آنحضرت صلعم کے اعلیٰ فہم اور اعلیٰ اخلاق کے متعلق ایک دو چیزیں اپنے رسالہ الاسلام سے نقل کرتا ہوں جو اس موقع پر انشاء اللہ

کفایت کریں گی۔ **جَنَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي قُوَّةِ اخْلَاقِي وَعَقْلِي**

عرب کی جہالت و درشت مزاجی کو کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب ان کے پاس آسانی ہو نہ زمینی اور ان کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو۔ عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوچھنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کریں جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم زندگی گزار دیں، ایسے جاہلوں اور خود سروس کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الہیات، علم عبادات، علم اخلاق، علم سیاست مدن میں حکما و نامدار بنا دیا۔ یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی ڈاکٹر گٹاؤ لیجان کہتا ہے؟ "اس پیغمبر اسلام، اس نبی اُمی کی بھی ایک حیرت انگیز سہر گزشت ہے جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آتی تھی رام کیا اور اس درجہ تک پہنچایا، کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا اور اس وقت تک بھی وہی نبی اُمی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلامِ لا پر آئم رکھے ہوئے ہے اگر انصاف کرو تو آپ کے حسنِ اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ

آپ نہ کہیں گے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ مال و دولت آپ نے جمع کر لیا تھا، نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا، نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی، نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے، نہ قبیلہ والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تند خو گنواروں کو ایک ایسی صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اس وقت ساری دنیا میں کوئی مکرمہ آواز نہ سمجھی جاتی تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی ان کا دشمن اور بدخواہ سمجھا جاسکتا تھا یہ وہی لا الہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعۃً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر و جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کووند گئی گویا وہ ایک زور شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابہر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پر خچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچا لیا۔ عرض کہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسی ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور تھوڑے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخرا اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون گرانے کے لئے تیار ہو گئے گھر باہر کو ترک کر دیا، زن و فرزند سے بگاڑ لی، مال و دولت کو سنگریزوں سے حقیر سمجھا، اپنے بیگانوں سے آمادہ جنگ پیکار ہوئے کسی کو آپ نے مارا، کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے، پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا، بلکہ آپ کے بعد اسی

حالت پر استقلال کے ساتھ جیسے رہے، یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تحت الٹ دینے
 فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکر
 نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی باہتک ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق
 بتلائیے اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی سے ظاہر ہوئی ہے، یہ تو آپ کے اخلاق کی
 حالت تھی باقی آپ کی عقل و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذات خود اُمّی
 محض جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم
 سے یک لخت خالی نہ رہا ہاں علوم دینی کا پتہ نہ دُنیاوی کا نشان، پھر اس پر ایسا
 دین ایسا آئین ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیات بینات لائے کہ آج تک
 بڑے بڑے حکما ر اس کا جواب نہیں لاسکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل و تہذیب
 نے اس کی داد دی، قرآن جیسا زندہ اور علی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ
 کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و مضامین کے اور کیا
 باعتبار تحریف و تبدیلی سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور
 انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔

قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خود قرآن تیرہ
 سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ یعنی یہ جس میں بہت ہو وہ میرا جواب لکھدے
 مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہو کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثال
 بھی پیش کر سکے اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا
 کہ اپنی عادت و اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے ایسے ہی علوم کے
 بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا

اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ ان کے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے ہیں جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جب کہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتمہ ہے جو مری عالم میں ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہو گا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہو گا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہیگا اس لئے اسکی کتاب کا بھی تا قیامت باقی رہنا ضروری

ٹھہرے گا۔ قرآن کریم کی حفاظت

پس جس طرح قرآن کی ہر ایک ادا و انوکھی اور ہر ایک شان نزالی ہے ضروری ہو کہ اس کی حفاظت بھی بالکل نرالی طریقہ اور نئے رنگ و ڈھنگ سے ہو اور چونکہ وہ محض خدا کی کتاب ہی نہیں بلکہ اس کا کلام معجز ہے اس لئے نہ صرف اس کے مطالب اور علوم بلکہ اس کی عبارت اور الفاظ بھی تغیر و تبدل سے مصون و مامون رہے بظاہر یہ ایک ایسا مشکل اور اہم اور پر صعوبتہ مقصد تھا کہ اگر اس کا اصرام صرف ناتواں بندوں کی مرضی، ہمت، تدبیر اور انتظام کے حوالہ کر دیا جاتا اور ایک خاص قسم کی توفیق ربانی ان کی مدد نہ کرتی تو کسی طرح اسکا سرا انجام آسان نہ تھا لیکن اس سے پہلے کہ بندے اس کی حفاظت کے سامان مکمل کرنے خود قرآن اتارنے والے نے بڑے موکد اور قطعی عنوان سے اس کا تکفل فرمایا چنانچہ اسی وقت جب کہ کسی انسان کو یہ یقین کر لینے کیلئے بظاہر کچھ اسباب موجود نہ تھے کہ قرآن بھی معاذ اللہ کچھ زمانے کے بعد ویسے ہی غلط اور محرف ترجموں کی صورت میں باقی نہ رہ جائے گا جس میں کہ توراہ و انجیل موجود

ہیں صاف صاف اعلان فرما دیا گیا کہ :-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ
وَإِنَّا لَمُحَافِظُونَ ۝

بیشک ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور بیشک ہم ہی
اس کے نگہبان بھی ہیں۔

یہ وعدہ الہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز ذرائع سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب اور معرور مخالفوں کے سر بھی نیچے ہو گئے جس طرح قرآن کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کے آفتاب نے لمبے چوڑے دعوائے کمزوریوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں اسی طرح اس کی بے عدیل حفاظت و خدمت نے بھی ایک مرتبہ اور تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ ہر زمانے میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معادم ہے ایسا رہا کہ جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اسکے الفاظ اور عبادت کی وہ حفاظت کی کہ نزول قرآن کے وقت سے آج تک ایک ذریعہ تبدیل نہ ہو سکا کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ ہو جنہوں نے کاغذ کے اوراق میں نہیں جو مٹ جانے اور جل جانے کا امکان رکھتے ہیں سیاہی کے نقوش میں نہیں جن کے محو اور مشکوک ہو سکنے کا احتمال ہے لکڑی اور لوہے کے صندوقوں میں نہیں جن کے کھوٹے جانے یا ٹوٹ جانے کا اندیشہ

ہے بلکہ اپنے دلوں کے ادراق میں اور سینوں کے صند دقوں میں بڑی احتیاط اور خیرداری سے محفوظ رکھا۔

مگر جن لوگوں کو عقل دی گئی ہے انکے عقیدہ میں تو یہ

بَلْ هِيَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ

قرآن ایسی کھلی، کھلی آیتیں ہیں کہ کوئی منصف مزاج

الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ۔

ان سے انکار نہیں کر سکتا۔

خیال کرو کہ آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزو کار سال زیادہ کرنا دشوار ہے وہ ایک غیر ملکی زبان کی اتنی ضخیم کتاب کو جو مشابہات سے پر ہے کس طرح فر فر سنا دیتا ہے رمضان المبارک میں اسلامی مساجد کا وہ سین دیکھنے کے قابل ہے جب چھوٹے چھوٹے بچے اپنی ننھی آواز اور معصومانہ لہجہ میں قرآن شریف سنا کر سامعین کے دلوں کو وجد میں لے آتے ہیں پھر کسی مجلس میں ایک حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگزاشت ہو جائے تو چاروں طرف سے تصحیح کر نیوالے لکار تے ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ ان حالات کو سامنے رکھ کر تاریخ سے دریافت کرو کہ کیا قرآن کے سوا کبھی دنیا میں کسی اور کتاب کی بھی اس قدر حفاظت اور خدمت ہوئی ہے، میں یقین کرتا ہوں کہ کتنا ہی بڑا نکتہ چینی کر نیوالا کیوں نہ ہو اس قدر انصاف کشی نہ کرے گا کہ وہ قرآن کی اس بے مثال حفاظت میں بھی شبہ اور کرنے لگے باقی ایسے سو فسطائیوں سے میرا خطاب نہیں جو محسوسات اور مشاہدات میں بھی لاادری کہنے سے دریغ نہ کریں۔

قرآن کریم کی تشلیم

قرآن کریم نے تمامی ابواب ہدایت کے متعلق جو کچھ تعلیم دی ہے اس کی پوری تفصیل کسی الستانی بیان میں کہاں سما سکتی ہے قرآنی علوم کا دریائے ناپیدا کنار کس کی مٹھی میں آسکتا ہے اور کس کی طاقت ہے کہ وہ اس رب العزت کے سمندر کو ایک کوزہ میں بند کر سکے لیکن قرآن کے اعجازوں میں سے شاید یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ جس قدر مشکل ہے اسی قدر آسان بھی ہے جتنا طویل و عریض ہے اتنا ہی مختصر بھی ہے یعنی جس طرح وہ ایک بڑے سے بڑے روشن دماغ حکیم کا پیٹ حکمتوں سے بھر دیتا ہے اسی طرح ایک وحشی سے وحشی انسان کی پیاس بھی اپنے چشمہ ہدایت سے بجھا سکتا ہے، میں اس وقت قرآن کے علوم و معارف کا تھوڑا سا اندازہ کرنے کے لئے بڑے بڑے کتب خانوں اور درس گاہوں کا حوالہ نہیں دیتا بلکہ ایک بہت ہی سہل طریقہ بتلاتا ہوں کہ مضامین روحانیت اور ابواب ہدایت میں سے جو مضمون اور باب چاہو لے لو اور جتنی کتابیں آسانی ہونے کی مدعی ہیں ان میں صرف ایک باب سے متعلق جو تعلیمات ہیں ہر ایک مذہب والا انتخاب کر کے پیش کر دے انسانی کتابوں اور آراء سے کوئی اضافہ نہ کیا جائے جو کچھ ہے آسانی کتاب کے حوالے سے مع اصل عبادت کے ہو اور عبادت کا صحیح ترجمہ ملکی زبان میں کر دیا جائے اس کے بعد وہ سب تحریریں کسی ایک متفق علیہ حکم کے سامنے یا اگر یہ نہ ہو سکے تو عام پبلک کے روبرو پیش کر دی جائیں بیک نگاہ سب کے سامنے آنے سے دنیا خود فیصلہ کر

لے گی کہ کس کتاب کی تعلیم اس باب میں زیادہ جامع، زیادہ موثر، زیادہ مہربان
 زیادہ قابل قبول ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر آسان اور بے تکلف
 صورت تعلیمی موازنہ کی اور کوئی نہ ہوگی۔ غ

بس ایک نگاہ پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کے کمالات و صفات کا بیان اور ذکر اللہ کی کثرت

مَوْلَانَا مَوْكُوْنِي فَيُرْوِي الدِّينَ حَتَّىٰ تَسْكُوْتِي اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں۔
 ”پھر ایک بڑی بھاری دلیل قرآن شریف کے کلام الہی ہونے کی یہ ہے کہ
 اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ماہ کو نہایت اعلیٰ طور پر بیان کیا گیا ہے، کلام
 الہی کا خاصہ ہے کہ اس میں خالق کائنات کی تمام صفات کاملہ بڑی شان و شوکت
 کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت شان اور اس کی صفا کاملہ
 ایسے طور پر مذکور ہوتی ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
 قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ایسے ڈھنگ سے بیان ہوئی ہیں کہ
 اس خصوصیت میں دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی بات
 بات میں اللہ تعالیٰ عظمت و شان چمکتی ہے اور اس کی الوہیت، ربوبیت،
 خالقیت، رحمانیت اور قدوسیت اعلیٰ سے اعلیٰ طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ سارا کلام
 الہی اسرار حسنی اور صفات کاملہ رب العالمین سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف
 میں خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کا نام اس کثرت سے آتا ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب

اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ گو یا قرآن شریف جا بجا خدا کا نام یاد کرنے کے لئے ایک بہانہ اور موقع ڈھونڈتا ہے۔ قرآن شریف کا کوئی صفحہ التاواؤں کا کوئی حصہ پڑھو اس میں اللہ کا نام یا اس کی کسی اور صفت کا ذکر پاؤ گے، قرآن شریف میں صرف دعائیں اور خدا کی صفات ہی نہیں بلکہ اس میں تمام معاملات دینی و دنیوی اور قوانین قومی و ملکی بھی بیان کئے گئے ہیں با این ہمہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کے اسماء حسنیٰ جا بجا پائے جاتے ہیں ایسی جگہوں پر اور ایسے معاملات میں بھی جہاں انسان سے سخت دشواری ہے کہ اللہ کا نام لاسکے۔ قرآن میں اللہ کا لفظ ۶۶۶۶ دفعہ آیا ہے اور اس کے باقی اسماء حسنیٰ کا کچھ شمارہ نہیں اور جو ضائر اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہیں ان کی گنتی بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ تسبیحات اور تہلیلات اور دعاؤں وغیرہ کے موقعہ پر تو اللہ تعالیٰ کا نام آ ہی جاتا ہے لیکن معاملات اور تعزیرات کے موقعہ پر جس طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا نام آیا ہے وہ صرف قرآن شریف ہی سے خصوصیت رکھتا ہے دنیا کی کوئی کتاب اس خصوصیت میں قرآن شریف سے مقابلہ نہیں کر سکتی تو ریت و انجیل وغیرہ کے صفحوں کے صفحے خدا کے ذکر اور اس کے نام سے خالی ہیں لیکن قرآن شریف کا کوئی صفحہ کوئی حصہ یاد الہی اور نام الہی سے خالی نہیں خدا تعالیٰ نے اس واقعہ اور اس معاملہ کا طرز بیان اور اسلوب ہی اس ڈھنگ پر ڈالا ہے کہ خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کا ذکر کہیں بیجا میں ضرور آ جاوے کوئی معاملہ، کوئی واقعہ، کوئی قصہ، ایسا نہیں جس میں بار بار اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ آئے۔ قرآن شریف کے پڑھنے سے نہ صرف دینی احکام اور الہی شریعت سے

آگاہی ہوتی ہے بلکہ کلام ربانی سارے کا سارا یاد الہی سے پر ہے۔ صفحے
 اٹھتے جاؤ اور خدا تعالیٰ کا نام بار بار پڑھتے جاؤ اور خدا تعالیٰ کا نام بار بار پانے
 جاؤ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی کمال ثواب ہے کیونکہ
 وہ اسرار حسنیٰ سے پر اور ورد اور وظیفے کی بھی ایک مقدس کتاب ہے مثال
 کے طور پر ایک سورۃ طلاق کو لے لو سورۃ طلاق کے نام سے تو مفہوم ہوتا ہے کہ
 اس میں صرف عورتوں کے طلاق دینے کی بابت احکام و ہدایات ہونگی لیکن نہیں
 اس میں عبرت، وعظ، تذکیر اور خدا تعالیٰ کے مقدس ناموں کا وظیفہ بھی ہے
 چنانچہ اس چھوٹی سی سورۃ میں پچیس جگہ اللہ کا لفظ آیا ہے اور بہت سی
 شمار خدا کی طرف پھرتی ہیں باوجودیکہ اس سورت میں معاملہ طلاق کا ذکر ہے
 جس کو اگر کوئی اور شخص بیان کرتا تو شاید ایک دو جگہ بھی اللہ کا نام نہ لاتا
 اچھا ہر ایسی کتاب کا جو آسمانی کہی جاتی ہو۔ کیف ما اتفق ایک ایک صفحہ ہاتھ میں
 اٹھا لو اور شمار کر لو کہ اس صفحہ میں خدا کا نام کتنی جگہ اور کیسی عظمت و شان
 سے آیا ہے یہ موٹی سی بات ہے پتہ دیدے گی کہ کون سی کتاب آسمانی ہے جو
 کسی معاملہ میں ذرا سی دیر کے لئے اپنے پڑھنے والے کو خدا کی یاد سے غافل نہیں
 رہنے دیتی اور جو اس کا امکان بھی نہیں چھوڑتی کہ ہزار ہا سال تک کوڑوں
 انسان انکی وغیرہ الفاظ سے جو بقول سوامی دیانند پریشور کے نام تھے آگ
 اور دوسرے عناصر وغیرہ سمجھ کر خدا کی جگہ ان ہی چیزوں کی عبادت،
 (پوجا) کریں۔

قرآن کریم کی بے نظیر سلاست اور روانی

مَوْلَانَا فَيَرُوْنَ زَالِدَيْنِ فَرَمَاتَهُ هَيِّنًا ۝ "پھر ایک دلیل قرآن شریف کے کلام ربانی ہونے کی اس کی وہ لسانی بندش اور بے نظیر روانی ہے جس پر آج تک ایک دنیا شیدا ہے کوئی عربی عبارت پڑھو اس کی بندش اور روانی معمولی قسم کی ہوگی لیکن قرآن شریف کی روانی اور سلاست اس قسم کی ہے کہ جو لوگ معنی نہیں جانتے جو لوگ عربی سے کچھ مس نہیں رکھتے وہ ابھی اس کی روانی اور سلاست کو دیکھ کر شفیقتہ اور حیران ہیں۔ خوش آواز قاری جب قرآن شریف کو ایک لحن مرغوب اور اسلوب خوش سے پڑھتا ہے تو دلوں میں زلزلہ اور روحوں میں ولولہ ڈالتا ہے عام قاری و حافظ جب قرآن شریف کو ایک جوش کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کس قدر اثر قلب پر ہوتا ہے دنیا کے سردار حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اس کلام پاک کو پڑھتے ہوں گے تو سننے والوں کے دلوں پر کیا کچھ اثر پہنچتا ہوگا کلام الہی کے الفاظ واقعات کی زندہ تصویریں معلوم ہوتی ہوں گی جو سننے والے کے پیش نظر ہوں کسی شخص کی طاقت ہے کہ قرآن شریف کی سلاست اور روانی کی بابت کچھ بیان کر سکے وہ ایک وجدانی امر ہے اور وجدانیات کی لذت کو بجز چکھنے کے کس کو یار ہے کہ معرض تحریر یا تقریر میں لاسکے۔ قرآن شریف کی عبارت بہ جیسے پڑھے ہوئے مفتون ہیں ویسے ہی ان پڑھ عاشق ہیں، یہی عبارت کی روانی اور دلوں پر عجیب اثر ڈالنے والی جادو بیان کفار عرب کو اس بات کے کہنے پر مجبور کرتی تھی کہ :-

ان هذا الا سحر يوشروا فلان
 البخر و انت تبصرون
 یہ (قرآن) تو بس (ایک قسم کا) جادو ہے، جو
 (انگلوں سے) چلا آتا ہے اور بس تو کیا تم دیدہ و
 دانستہ جادو (کی باتیں سننے کو آتے ہو)

تمام آسمانی کتابوں کے مدعی اسی طرح موازنہ کر لیں کہ ہر کتاب کی تھوڑی
 سی عبارت جس طرح پڑھی جاتی ہے کس اچھے صحیح اور صاف پڑھنے والے سے
 مجلس میں پڑھوا کر دیکھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ قلوب کس سے زیادہ لذت اور
 اثر حاصل کرتے ہیں قرآن کریم عام اشعار کی طرح کلام منطوم نہیں لیکن اس نے
 نظم کی ریح نکال کر نثر میں ڈال دی ہے، ایک بالکل ہی اچھوتا اسلوب عام
 نثر اور نظم کے درمیان اختیار کیا ہے کہ شاعر اور خطیب دونوں کی روحیں سو
 جان سے اس کی لطافت اور شوکت پر قربان ہوتی ہیں۔ قرآن کی ان حسی
 اور معنوی خوبیوں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آ جاتا ہے کہ:-

بہار عالم حسنش دل جان تازہ میدار

بدنگ اصحاب صورت را بہوار باب معنی را

قرآن میں ایک مضمون دوسرے سے مغلوب نہیں ہوتا

انسان چونکہ مخلوق ہے اور کمزور مخلوق ہے اسلئے جب اس پر کوئی حالت
 طاری ہوتی ہے تو اس کے مقابل والی حالت مضمحل اور مغلوب ہو جاتی ہے
 بڑے سے بڑا قادر الکلام لیکچرار جب غصہ میں بھرا ہوا مضمون بیان کرتا ہے تو
 بین اسی وقت ملافت اور مہربانی کی تقریر ویسے زور سے نہیں کر سکتا اسی

طرح شفقت و رحمت کے ساتھ اگر غضب و سخط کی بھی ضرورت ہو تو دونوں کا مساویانہ توازن قائم رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے یہ صرف خداوند اکبری کی قادت کا خاصہ ہے جسکی ایک صفت دوسری صفت کیلئے مزاحم نہیں ہوتی اور جس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کر سکتی کہ وہ ہر وقت و ہر آن تمامی مقابل صفات کے ساتھ منصف ہے اسی لئے جب اس کے کلام کو ہم پڑھتے ہیں تو رحمت کے ساتھ غضب، وعدہ کے ساتھ وعید، تبشیر کے ساتھ انداز اور خوف کے ساتھ جب تراند کے دوپوں کی طرح ہمیں برابر نظر آتے ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی دوسرے سے جھکا نہ ہو، عین غصہ کے وقت پیار اور پیار کے ساتھ غصہ اس طرح کہ ایک کا بیان دوسرے سے ذرا نہیں گھٹنے نہ پائے یہ صرف اسی رب العالمین کے کلام میں دیکھا گیا ہے۔

قرآن میں غیبی خبریں

قرآن کے مضامین کے متعلق ایک اور ضروری چیز بیان کرنے سے رہ گئی اور وہ اہم ماضیہ اور سنین گذشتہ کی ایسی مفصل اور درست خبریں اور واقعات مسند قبلہ کے متعلق اس کی متعدد پیشین گوئیاں ہیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکیں یہ نہیں کہ کابھنوں اور منجھروں کے اٹکل پچو بیانات کی طرح سو میں ایک درد فحہ تیر نشانہ پر جا لگا بلکہ قرآن نے جن واقعات کی خبر دی وہ صحیح صادق کی روشنی کی طرح نور افزائے دیدہ بصیرت ہوئے۔ مثال کے طور پر آپ اس آیت کو لے لیجئے۔

قریب کے ملک یعنی فارس میں رومی (جو نصاریٰ
ہیں اہل فارس سے جو آتش پرست ہیں، مغلوب
ہو گئے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہونے سے پیچھے
عنفرت چاند سال میں پھر اہل فارس پر، غالب

أَلَسَّ غَلِبْتَ الرُّومَ فِي
أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ
بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ
فِي بَعْضِ سِنِينَ -

آجائیں گے۔

عجم پر روم کے غلبہ کے متعلق جو خبر جتنے زمانہ کی ساتھ مقید کر کے اس آیت
میں دی گئی تھی وہ بلا کم و کاست پوری ہوئی اگر آپ قرآن کی پیشین گوئیوں کے
متعلق مفصل دیکھنا چاہتے ہیں تو علمائے اس باب میں مستقل رسالے لکھے
ہیں ان کا مطالعہ کیجئے میں نے تو صرف ایک نمونہ دکھلا دیا ہے۔ اخبارِ مانیہ
میں بعض کو چشم یہ کہہ دیتے ہیں کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے
پوچھ کر روچ کر دیئے ہو گئے حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ خود امی تھے
آپ کی قوم امی تھی مادری زبان عربی کے سوا کوئی دوسری زبان آپ نے
سیکھی نہیں تھی کسی عالم کی ملازمت و صحبت کا آپ کو موقعہ نہیں ملا جو اس
قدر مستقل اور مستند واقعات اخذ کر سکتے اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ جن کے
پیش نظر آپ کی زندگی کے تمام اطوار و ادوار تھے اور پھر ہر وقت ایسی
چیزوں کا کھوج لگانے میں سرگرم تھے جو آپ کی تکذیب کا ذریعہ بنیں
تیس سال کی طویل مدت میں سب سے پہلی ایسی شہادتیں بہم پہنچا کر
شائع کر دیتے، شاید اسی لئے قرآن پاک نے ایسے غیر نامنی عن الدلیلی
احتمالات کا رد کرنا بھی ضروری سمجھا، صرف اس قدر تندیہ کر دی کہ نبی امی صلعم

پچھلے واقعات بن دیکھے بیان کر رہے ہیں وہ اس کے سوا نہیں، کہ وحی الہی نے ان کو معلوم کرائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

داسے پیغمبر، یہ غیب کی چند خبریں ہیں
جن کو وحی کے ذریعہ سے ہم تم کو پہنچاتے
ہیں اس (قرآن کے نازل ہونے) سے پہلے
نہ تو تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری
قوم کے لوگ۔

بِنَاكَ مِنْ أُنْبَاءِ الْغَيْبِ
نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ
تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا
قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا

اور فرماتے ہیں۔

اور (اسے پیغمبر) جس وقت ہم نے موسیٰ کو
(رسالت کے) اختیارات دیئے تو تم طور کی
مغربی جانب (جہاں موسیٰ کو رسالت ملی تھی
موجود) نہ تھے۔ (مگر بات یہ ہے کہ) ہم نے
بہت سی اُممیں نکال کھڑی کیں اور ان پر
بہت سے قرن گذر گئے اور نہ تم مدین کے
لوگوں میں رہے کہ تم ان کو ہماری آیتیں
پڑھ کر سناتے تھے (اور یوں تم کو اس
وقت کے حالات معلوم کرنے کا موقع ملا ہو)
بلکہ ہم کو (تمہیں پیغمبر بنا کر) بھیجا (منظور)
تھا اور نہ اس وقت کہ ہم نے (موسىٰ کو)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ،
إِذْ أَقْبَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الرَّحْمٰنِ
وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا
فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمْ
الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًّا
فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو
عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا
كُنَّا مُرْسِلِينَ ه وَ
مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوَلِ
إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً

مِنْ مَرَاتِكَ لِيُنذِرَ،
قَوْمًا مَاتَا هُمْ مِنْ نَذِيرٍ
مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ

بلا یا تھا تم طور کے (کسی) طرف موجود تھے (کہ تم
نے وہ واقعات بحشم خود دیکھے ہوں بلکہ (یہ)
تمہارے پروردگار کی (ایک) مہربانی ہے تاکہ
تم ان لوگوں کو ڈراؤ جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ عجب نہیں
(تمہارے ڈرانے سے) یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

اور فرماتے ہیں۔

ذَالِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ
نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ إِذَا جَمَعُوا
أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ

داسے پیغمبر! یہ چند غیب کی باتیں ہیں جن کو
ہم وحی کے ذریعہ سے تمہیں معلوم کرتے ہیں
(اور یہ تمہاری صداقت کی دلیل ہے) ورنہ
جس وقت یوسف کے بھائیوں نے اپنا مصمم ارادہ
کر لیا تھا (کہ یوسف کو کنوئیں میں ڈالیں) اور وہ ان کے ہلاکت کی تدبیر کر رہے تھے
تم تو ان کے پاس موجود نہ تھے (کہ یہ حالات تم کو بطور خود معلوم ہو جاتے)
اچھا واقعات گذشتہ میں آپ کے یہ احتمالات سہی لیکن مستقبل
کے متعلق جو بکثرت خبریں دی گئیں اور ایک کی بھی کوئی تکذیب نہ کر
سکا۔ ان میں بجز اس کے کہ اس عالم الغیب و الشہادت کی طرف نسبت
کیا جائے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

خَاتَمُ كَلَامِ

میں اپنی تقریر اب ختم کرتا ہوں اور قرآن کریم کی تین بہت ہی چھوٹی

چھوٹی سورتیں (العصر، الكوثر، الاخلاص) پیش کر کے جو اخیر پارہ میں ہیں تمام مذاہب کو چیلنج دیتا ہوں کہ ان سورتوں میں سے کسی ایک کے مقابلہ میں کوئی پرانا یا نیا کلام سب مل کر لے آئیں جس میں ایسے مختصر اور جامع الفاظ میں اس طرح کے مضمون کو اسی قدر خوبوں اور لطافت و مزایا کی رعایت کے ساتھ ادا کیا گیا ہو جتنا کہ ہم اہل اسلام بحول اللہ و قوتہ بوقت مقابلہ ہر دو کلام قرآن کریم کی اس سورت کی عبارت اور اسلوب میں بتلا سکتے ہیں اور اس کام کے لئے جتنی مدت اور مہلت معارضہ کرنے والے چاہیں وہ دی جاسکتی ہے اور ہر ایک معقول شرط منظور کی جاسکتی ہے لیجئے ساری بحثیں اور سارے مناظرے صرف ایک ذرا سی بات پر تمام ہوتے ہیں۔

اس پر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو تم کو ڈرنا چاہیے اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی ہیں اور ہر پتھر جو تیار لگی ہے منکروں کے لئے۔

فَاِنَّ لَكُمْ تَفْعُلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاَتَقُوْا النَّاسَ
الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ
الْحِجَارَ الَّتِيْ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ

خاتمہ مضمون پر میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس تقریر میں صرف یہ کوشش کی ہے کہ ایک صاف اور سلیس اور معقول طریقہ سے قرآن کریم کا کلام الہی ہونا واضح کر دیا جائے مضمون کے دوسرے حصے جو شاید اس کے بعد شائع ہو سکیں، ان میں تفصیلاً بتلایا جائے گا کہ قرآن کریم کے متعلق مخالفین اسلام نے کیا کیا شکوک و شبہات پیش کئے ہیں اور ان کا

اس طرح ہو سکتا ہے امید ہے کہ یہ سلسلہ مبلغین اور مناظرین اسلام
کا لبین حق و صدق کے لئے نافع ہوگا۔

ان امرید الا اصلاح ما استطعت وما توفیقی
الا بالله علیہ توکلت والیہ ائینب

الترانہ

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

دارالعلوم دیوبند۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ



ہماری چند مطبوعات

اسلام میں مشورہ کی اہمیت : مولانا مفتی محمد شفیع رح (عکسی گلیر لمع کارڈ بورڈ)

مشورہ کی اہمیت، شورشی کے معنی، مشیر کی ذمہ داریاں اور شوراہیت کا مفہوم

ادابِ انبی صلی اللہ علیہ وسلم : مولانا مفتی محمد شفیع رح

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ اور پاکیزہ طرزِ زندگی پر مستند کتاب، ۱۵/۱۰

مثنیٰ برات : مولانا مفتی محمد شفیع رح

شبِ برات کے صحیح احکام و فضائل، اور چراغاں و دیگر بدعات کی خرابیاں، ۱۵/۱۰

اسلام کے بنیادی عقائد : علامہ شبیر احمد عثمانی رح

خدا کا وجود، توحید، نبوت، قیامت جیسے اہم عقائد سلیس انداز سے مع اسلام اور معجزات، ۱۵/۱۰

اعجاز القرآن : علامہ شبیر احمد عثمانی رح

قرآن حکیم کے معجزہ برحق ہونے پر تفصیلی دلائل اور اعجاز قرآنی کا ثبوت، ۱۵/۱۰

مجموعہ رسائل ثلاثہ : علامہ شبیر احمد عثمانی رح

ہدیہ سینہ، تحقیق الخطیہ، اور سجود الشمس - تین رسائل یکجا، ۱۵/۱۰

العقل والنقل : علامہ شبیر احمد عثمانی رح

عقل اور مذہب کے درمیان باہمی تعلق پر سیر حاصل بحث، ۱۵/۱۰

شہیدِ کربلا اور پیغمبر : مولانا قادی محمد طیب

محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و پیغمبر" کا مفصل جواب، ۱۵/۱۰

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۗ الْقُرْآنُ

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں

الرُّوحُ فِي الْقُرْآنِ

روح کیا ہے؟ اور قرآن کا
موقف اس سلسلہ میں کیا ہے؟

۱۰۱

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

ناشر

ادارۃ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

الروح فی القرآن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ طُفِّلِ الرُّوحِ مِنْ أَمْرِ

اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے

رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا وَلَسْنَا

بنی ہے۔ اور تم کو بہت سمجھنا علم دیا گیا ہے۔ اور اگر تم پوچھنا چاہیں تو

سِئَالِنَا لَنْ نُهَبِنَ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَنْ

جس قدر آپ بدوحی بھیجی ہے۔ سب سلب کر لیں۔ پھر اس کے لئے آپ

لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا هَٰذَا نَحْمَدُكَ مِنْ رَبِّكَ

کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ بنے۔ مگر آپ کے رب ہی کی رحمت سے

إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا هَٰذَا نَحْمَدُكَ

بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ فرما دیجئے اگر تمام ان

الْإِنْسِ وَالْجِنِّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْ

اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنا لادیں

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

بھی ایسا نہ لاسکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جائے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے

فَأَنى أَكْثَرَ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِرَكَ

بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کئے ہوئے نہ رہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ

حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَدْبُوعًا ه أَوْ تَكُونَ

ہم آپ پر گز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چٹا

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ

جاری کریں یا خاص آپ کیلئے کھجور اور انگورس کا کوئی باغ ہو پھر اس باغ کے نیچے

تَفْجِيرًا ه أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا لِسْفًا

میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں۔ یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آپ آسمان کو ٹکڑے

أَوْ نَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ه أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ

ہم پر گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لاکھڑا کر دیں۔ یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا

مِنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْفَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِرَ لِرَفِيكَ

ہوا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھنے کو بھی کبھی باور نہ کریں گے

حَتَّى تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ

تک کہ آپ ہمارے پاس ایک نوشتہ لائیں جس کو ہم بھی پڑھ لیں۔ آپ فرمادیں کہ سبحان اللہ

رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا

میں بجز اسکے کہ آدمی ہوں پیغمبر ہوں اور کیا ہوں۔

وَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ (پارہ ۱۰)

اور سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کی نسبت

یعنی روح انسانی کیا چیز ہے۔ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے ؟
 یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے آزمانے کو کیا تھا اور ”سیر“ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ”قریش“
 نے ”یہود“ سے یہ سوال کیا تھا۔ اسی لئے آیت کے ”مکی“ اور ”مدنی“ ہونے
 میں اختلاف ہے۔ ممکن ہے کہ نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال
 کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو
 ضرورت ہے۔ اُدھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں اندر راہ
 لغت و غنا و جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے
 باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفا سے فائدہ اٹھاتے۔

وَكذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اٰمُرِنَا (شوریٰ رکوع ۵)

يُنزِلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ اٰمُرِهِ صٰلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (نمل رکوع ۱)

مگر انہیں دو راز کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں ؟

روح کیا ہے۔ جوہر ہے۔ عرض ؟ مادی ہے یا مجرد ؟ بسیط ہے یا
 مرکب ؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف
 ہے۔ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ میں داخل ہیں۔ بڑے بڑے حکما اور فلاسفر
 آج تک خود ”مادہ“ کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے۔ روح جو بہر حال مادہ سے کہیں

زیادہ لطیف و خفی ہے اس کی ماہیت و کثرت تک پہنچنے کی پھر کیا امید کہا جاسکتی ہے۔ مشرکین مکہ کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی وہ "روح" کے حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد و اہلیت رکھتی ہوگی۔

تو کارِ زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔

کہدے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

موضع القرآن میں ہے کہ حضرت کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں، اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آبی وہ جی اٹھا۔ جب نکل گئی وہ مر گیا۔ ۱۷

الفاظِ قرآنی کی سطح کے نیچے عمیق حقائق مستور ہیں

حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کج رو معاندین کے لئے کافی ہے۔ لیکن اسی سطح کے نیچے، ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی درجہ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارفِ کامل کی راہ طلب و تحقیق و چراغِ ہدایت کا

کام دیتی ہیں۔

”روح“ کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا اور نہ شاید ہو سکے ”روح“ کی اصلی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ و حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

روح قرآنی کے متعلق چند نظریات

۱۔ انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے۔ جسے ”روح“ کہتے ہیں۔ وہ ”عالم امر“ کی چیز ہے اور خدا کے حکم سے فائض ہوتی ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل)

خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَنَا كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران)

ثُمَّ أَنشَأْنَا خَلْقًا آخَرَ، فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (المؤمنون)

إِنَّمَا قَوْلُنَا بِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَا أَن نَقُولَ لَنَا كُنْ فَيَكُونُ (نمل)

۲۔ روح کی صفات علم و شعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بجد تفاوت اور فرق مراتب ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے جیسے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں امر کی اصنافت رب کی طرف اور رب کی یار متکلم کی طرف جس سے مراد نبی کریم صلعم ہیں اس طرف مشیر ہے کیونکہ امام راعب کی تصریح کے موافق رب اُس سستی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو تبدیل و حد کمال تک پہنچائے جہاں تک پہنچنے کی اس میں استعداد پائی جاتی ہو۔ چنانچہ دیکھ لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اٹل و اٹمل استعداد کے موافق اللہ نے آپ کو حسی و معنوی حیثیت سے کس قدر بلند مقام پر پہنچایا۔ آپ کو علوم و معارف سے بھری ہوئی وہ کتاب مرحمت فرمائی جس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبْتُ الْأَيَّةُ

اور حسی طور پر آپ کو شب معراج میں سدرۃ المنتہی سے بھی اوپر لے گئے جہاں تک کسی نبی یا فرشتہ کو عروج میسر نہ ہوا تھا۔

۳۳۔ مگر روح کے یہ کمالات ذاتی نہیں، وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے اور محدود ہیں۔ چنانچہ وَمَا أَوْتَيْنَاهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا سے معلوم ہوا کہ علم کسی اور کا دیا ہوا ہے۔ اور جو علم تم کو دیا گیا وہ سب دینے والے کے علم کے سامنے نہایت قلیل اور محدود ہے۔ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَعْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَعْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مِدَادًا (کہف) وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ

أَقْلَامٌ وَالْبَعْرُ كِمِثْلِكَ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ الْعَجْرِ مَا نَفَذَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ (لقمان) اسی طرح آگے مشرکین کے قول لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّى تَقْبُرَ لَنَا مِنْ الْأَرْضِ يَدُوعًا

کے جواب میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا سُوْلًا، فرمانا اس کی

دلیل ہے کہ علم کی طرح بشر کی قدرت بھی بہر حال محدود و مستعار ہے۔

۴۔ روح انسانی خواہ علم و قدرت صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گوتے سبقت لیجائے پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں۔ صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہو جاتیں اور یہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم و غیر مخلوق ہستی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔

۵۔ کتنی ہی بڑی کامل روح ہو حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جسوت چاہے اُس سے کمالات سلب کر لے گو اُس کے فعل و رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ بیدل علیہ قولہ تعالیٰ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا - إِلَّا رَحْمَةً مِنِّي رَّبِّكَ - إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا - یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نص آیات میں اونے تامل کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں صرف "عالم امر" کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے اُمید ہے کہ روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

لفظ امر کی تشریح اور امر و خلق کا فرق

لفظ امر قرآن میں بسیوں جگہ وارد ہوا ہے اور اس کے معنی میں علمائے کافی کلام کیا ہے۔ لیکن ہماری غرض سورہ اعراف کی آیت اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مدد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "امر" دوسرا "خلق"۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے

ہیں پہلے فرمایا اِنَّ رَبَّكُمْ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ يَّهْتَدُوْنَ خَلْقَ
 ہوا۔ درمیان میں "استوار علی العرش" کا ذکر کر کے جو شانِ حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا
 يُغْشِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَالْجِبَالُ وَالنَّجْمُ وَالسَّمٰوٰتِ بِاَمْرِهِ يَعْنِي
 ان مخلوقات کو اک معین نظام پر چلاتے رہتا ہے تدبیر و تصرف کہہ سکتے ہیں، یہ
 "امر" ہوا۔ اسی طرح سورۃ طلاق میں ارشاد ہے اللهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
 وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ۔ گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے
 کی سمجھ جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے۔ کوئی آٹا
 پس رہی ہے کوئی کتابیں چھاپتی ہے۔ کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی
 سے پنکھے چل رہے ہیں وغیر ذلک۔

ہر ایک مشین میں بہت سے گل پرنے سے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ
 کر کے ایک معین انداز سے ڈھالی جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرنے
 جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں
 تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانے سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستے سے نٹ چھوڑ
 دیا جاتا ہے۔ آرن واحد میں ساکن خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کی موافق
 گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پرنے کو اس کی مخصوص
 ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کپڑا روشنی کے
 لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے۔ وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیئت اور
 رنگت اختیار کر لیتی ہے۔



”خلق“ کیا ہے ؟

اس مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اس کے پرزوں کا ٹھیک انداز رکھنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت سے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو ”خلق“ کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کی موافق تیار کیا جس کو ”تقدیر“ کہا گیا ہے قَدَّرَ لَكَ تَقْدِيرًا سَبَّحُكَ كُلُّ يَوْمٍ كَرَّمَشِينِ كَوْفُ كَمَا جَبَّ تَصَوَّرَ اور ”تسویہ“ کہتے ہیں خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ اور فَاذًا سَوَّيْنَاهُ وَنَفَخْنَا فِيهِ يَه سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

”امر“ کیا ہے ؟

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے۔ لگا دیا جائے مشین کو چالو کرنے کیلئے ”امر الہی“ کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق ”امر“ باری سے ہے الخَالِقُ الْبَارِيُّ الْمُصَوِّرُ وَفِي الْحَدِيثِ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَاءَ النَّمَةَ وَفِي سُورَةِ الْحَدِيدِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَبْرَأَهَا اِي النُّفُوسِ كَمَا هُوَ مَرُومِي عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقِسَاوَةَ وَالْحَسَنِ غَضَّ اَوْ هَرَّ سَعَمَ هَوَا ”چل“ فوراً چلنے لگی۔ اسی ”امر الہی“ کو فرمایا اِنَّمَا اَمْرًا اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَمَّا كُنْ فَيَكُونُ (یعنی) دوسری جگہ نہایت وضاحت کیساتھ ”امر“ کن“ کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَمَّا كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ”كُنْ فَيَكُونُ“ کا مضمون

جتنے مواضع میں آیا، عموماً خلق اور ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ "کن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر و تصرف وغیرہ کیلئے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

روح کا مبدیہ صفت کلام ہے

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "امر" کے معنی یہاں "حکم" کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا۔ اور "کن" جنس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں۔ کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسدک رکھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "روح" کیساتھ "اکثر جگہ قرآن میں "امر" کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي، وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا يُدْعَى الرُّوحُ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، يُنَزَّلُ الْمَلَكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ۔ اور پہلے گذر چکا کہ "امر" عبارت ہے کلمہ "کن" سے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصرف اس طریقہ پر کیجائے جس سے عرض ایجاد و تکوین مرتب ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ "روح" کا مبدیہ حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ کلام ہے جو صفت علم و حیات کے ماتحت ہے۔ شاید اسی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي میں اسی اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم و امر سے صادر و مصدر کی ہوتی ہے مخلوق و خالق کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے الْآلَاءُ الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ میں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا، ہاں یہ امر "کن" باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے کہ "جوہر مجرود" کے لباس میں یا ایک "ملک اکبر" اور "روح اعظم" کی صورت میں ظہور پکڑے

جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم کہہ رہے ہیں روحیہ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔
 گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں
 اور الامر و احرجنود و مجندۃ الخ کے بشپار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے۔ اب جو
 کرنٹ چھوٹی بڑی مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ ہر مشین سے اسکی بناوٹ اور
 استعداد کی موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے۔ بلکہ جن
 لیمپوں اور قلموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے انہی کے مناسب رنگ و بہت اختیار کر لیتی ہے

روح کا مبدی صفت کلام ہے پھر وہ "جوہر مجرد"

جسم لطیف کیونکر بن گئی؟

وہی یہ بات کہ "کن" (ہو جا) کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جوہر مجرد جسم نورانی لطیف
 کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلا اس پر متفق ہیں، کہ ہم
 خواب میں جو اشکال و صورت دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے
 ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، چیتے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔
 اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کیساتھ قائم
 ہیں۔ وہ جوہر و اجسام کیونکر بن گئے۔ اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم و خواص
 پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد
 یہ آثار و لوازم جدا نہیں ہوتے۔

خواب کی مثال سے مطلب کی تفہیم

فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت لی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوتِ مصورہ میں اُس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساطِ کیموافق غیر مجتم خیالات کو جسمی سانچے میں ڈھال لے اور اُن میں وہی خواص آثارِ باذن اللہ پیدا کر لے جو عالمِ بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشا یہ ہے کہ وہ خیالاتِ خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوتے اُن کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے، تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادرِ مطلق اور مصورِ برحق جل و علا کا امر بے کیف (کن) باوجود صفت قائم بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔

روحِ حادث ہے اور اس کا مبداء امر ربّ قدیم ہے

وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور امر الہی بجاہ قائم ہے۔ امکانِ حادث کے احکام و آثار ارواح وغیرہ تک محدود ہیں اور "امر الہی" اُن سے پاک و برتر ہو جیسے جو صورت خیالیہ بجاہت خواب مثلاً آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورتِ ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک لمحہ کیلئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔

ظاہر اور مظہر کے احکام جدا ہیں

پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جو ہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) ”امر ربی“ کا مظہر ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے تمام احکام و آثار ظاہر پر جاری ہوں لکھا ہوا ظاہر واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل و تقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

اے بروں از و ہم وقیل قال من خاک برفرق من و تمثیل من

روح جو ہر مجرد ہے یا جسم لطیف؟

رہا یہ مسئلہ روح جو ہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکما، قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث کی رائے ہے اس میں میرے نزدیک قائل فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب اطلال اللہ بقارہ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامی ”یہاں تین چیزیں ہیں۔“

- (۱) وہ جو اہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ”ابدان مادیہ“
- (۲) وہ جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ ”اجسام مثالیہ“ کہتے ہیں۔
- (۳) وہ جو اہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ”ارواح“ یا حکماً ”جو اہر مجردہ“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

پس جمہور اہل شرع جس کو ”روح“ کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ”بدن مثالی“

موسوم سے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ ناک،
نہا، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔

روح کا بدن سے جدا ہونا موت کو مستلزم نہیں

یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں
ایک طرح کا مجہول الکلیف علاقہ بدن کیساتھ قائم رکھتی ہے جس سے بدن پر حالت
طاری نہیں ہونے پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کی موافق جو بغوی
لَا تَمُوتُ فِي الْأَنْفُسِ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا کی تفسیر میں نقل کیا ہے
ت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقا حیات کا سبب
ہے جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسا
کہ ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوا بازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے
اور تعجب خیز نتائج رونما ہوئے۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص
پلنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا لیکن لاسکی کے ذریعہ
یہ منزل مقصود پر پہنچا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ
وہاں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود
جو کام کیا وہ ایسا ہی مکمل ہے جیسا کہ ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا۔

آجکل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض
حالات بیان کئے ہیں جن میں روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ
کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔

بہر حال اہل شرع جو "روح" ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرمانتے ہیں جس میں استحالہ نہیں بلکہ اس روح مجرمانتے کی بھی اگر کوئی اور "روح" ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر "امر ربی" کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے "منطق الطیر" میں کیا خوب فرمایا ہے

ہم ز جملہ بیش و ہم پیش از ہمہ جملہ از خود ویدہ و خویش از ہمہ
جاں نہاں در جسم و او و جاں نہاد اسے نہاں اند نہاں امی جان جاں

روح ہر چیز میں ہے اور ہر چیز کو ایک حیثیت

سے زندہ یا مردہ کہہ سکتے ہیں

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو "کن" کی مخاطب ہو روح حیات پائی جاوے بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ مخلوق کی ہر نوع کو اس استعداد کی موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کیلئے وہ چیز پیدا کی ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا، بس یہی اس کی حیات ہے۔ جتنک اور جس حد تک یہ اپنی عرض ایجاد کو پورا کر لگی اسی حد تک زندہ بھی جائے گی، اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی۔ اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔

یہ مضمون بہت طویل اور محتاج بسط و تفصیل ہے۔ ہم نے اہل علم و فہم اپنی بساط کی موافق کچھ اشارے کر دیئے ہیں۔ شاید قرآن مجید پر نکتہ چینی کر مویا

مجھ لیں کہ روح کے متعلق بھی قرآن حکیم میں وہ رموز و حقائق بیان ہوئے ہیں جن کا
 شبیر دوسری آسمانی کتاب میں بیان نہیں ہوا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وهو الملمہ الصواب۔

کتبہ العبد الضعیف

شبیر احمد عثمانی دیوبندی عرفاً الشیخ

جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت شعبان ۱۳۵۵ھ



ہر قسم کی مستند اسلامی کتب کا مرکز
 ادارہ اسلامیات ۱۹۰-۱۹۱ نارکلی لاہور

کلمہ طیبہ مع کلمات طیبات : مولانا قاری محمد طیب (عکسی گلینز مع کارڈ بورڈ

کلمہ طیبہ کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور دس اسلامی کلمات کی تشریح " ۱۵۰

علم غیب : مولانا قاری محمد طیب

علم غیب کے مشہور اختلافی مسئلہ کی بے مثل تحقیق مع رسالہ از حضرت گنگوہی " ۱۵۰

شرعی پردہ : مولانا قاری محمد طیب

پردہ کا قرآن و حدیث سے ثبوت اور پردہ پر کئے جانے والے اعتراضات کے جواب " ۱۵۰

فلسفہ نماز : مولانا قاری محمد طیب

نماز کی اہمیت، حکمت اور نماز کا فلسفہ انتہائی دلنشین انداز سے " ۱۵۰

انسانیت کا اقدار : مولانا قاری محمد طیب

انسانیت کا انبیاء صرف علوم ربانی ہیں۔ اپنے موضوع پر واحد کتاب " ۱۵۰

شان رسالت : مولانا قاری محمد طیب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت حکیمانہ انداز سے " ۱۵۰

خاتم النبیین : مولانا قاری محمد طیب

آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کی تنہا ذات میں تمام انبیاء کے کمالات یکجا ہیں " ۱۵۰

اصول دعوت اسلام : مولانا قاری محمد طیب

اسلام کے تبلیغی نظام کی مکمل وضاحت، مبلغین کے لئے ضروری کتاب " ۱۵۰

مشب معراج : حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

حضرت تھانوی کا مشہور رسالہ تئوری السراج فی لیلۃ المعراج عکسی طباعت کیساتھ " ۱۵۰

لئے کاپتہ - ادارہ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی - لاہور فون نمبر ۲۵۳ ۶۳

المعراج في القرآن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ
 پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد

الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ
 اقصیٰ بمک، جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے، تاکہ دکھلائیں

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ
 اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سننے والا دیکھنے والا

اسرار اور معراج کا فرق

علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسرار" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعے کو ایک ہی لفظ "اسرار" یا "معراج" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ معراج کی احادیث تقریباً تین صحابہ سے منقول ہیں جن میں "معراج" و "اسرار" کے واقعات بسط و تفصیل

سے بیان ہوئے ہیں۔

جمہور امت کا عقیدہ

جمہور سلف و خلف کا عقیدہ ہے کہ حضور پر نورؐ کو حالتِ بیداری میں بجدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہؓ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعہ اسرار و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اس سورت میں آگے چل کر جو لفظ "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْتَكَ الْإِلَهَ" آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالتِ بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی، جیسا کہ بعض حکما و صوفیاء کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے: "وَلَيْسَ مَعْنَى إِهْ سَرَاءَ بِالرُّؤْيِ الذِّهَابِ يَقْظَةً كَالْإِسْلَاحِ الَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ الصُّوفِيَّةُ وَالْحُكَمَاءُ فَرَمْنَا وَإِنْ كَانَ خَارِقًا لِلْعَادَةِ وَمَجْلًا لِلتَّعْجِبِ أَيْضًا إِلَّا أَنَّ أَمْرًا لَا تَعْرِفُ الْعَرَبُ وَلَمْ يَذْهَبَ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ أَهْ بے شک ابن قیم نے زاد المعاد میں عائشہ صدیقہؓ، معاویہؓ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسکد کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی۔ محض ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ ابن اسحاق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کئے ہیں ان میں کہیں حالتِ بیداری کی تصریح نہیں بہر حال قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشاں عنوان

سے واقعہ اسرار کو ذکر فرمایا اور جس قدر جد و مستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعویٰ بعثت سے رہے ہیں۔ دعوائے اسرار، کفار کے لئے کچھ اُن سے بڑھ کر تعجب خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزار و تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو! نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و متوشش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف الفاظ ہیں: ثُمَّ أَفْطَحْتُ بِمَكَّةَ (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے؟ اور شرار بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں نے قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور کہاں تشریف لے گئے تھے؟ ہمارے نزدیک "اَسْرَى بَعْبِدَہ" کے یہ معنی لینا کہ خدا اپنے بندے کو خواب میں یا روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا۔ اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص "فَأَسْرَى بَعْبَادِي" کے یہ معنی لینے لگے، کہ

”اسے موسیٰ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مصر سے لے کر نکل جاؤ؟“ یا ”سورۃ کہف“ میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے جانا اور ان کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ ”فَانْطَلَقَا“ کا لفظ آیا ہے اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ ”رُؤِیَا“ جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ”رُؤِیَا عَیْنِ اُرِیْہَا رسول اللہ صلعم“ مفسرین نے کلام عرب سے اس کے شواہد پیش کئے ہیں کہ ”رُؤِیَا“ کا لفظ گاہ بگاہ مطلق روایت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس سے مراد یہی اسرار کا واقعہ ہے تو مطلق روایت کے معنی لیے جائیں، جو ظاہری آنکھوں سے ہوئی۔ تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو، ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ایسے ضرور آئے ہیں جن سے ”اسرار“ کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا۔ اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلے میں ان کی روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے آخر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف

نہ ہو۔ اس قسم کی تفصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح و بسط سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسرار کا واقعہ حالت بیداری میں بجدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد میں خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

معراج پر شبہ

اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرہٴ ناروز مہریرہ میں سے کیسے گزرے ہوں گے۔ یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی نہیں پیش کی گئی کہ آسمان واقعہ میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ نیلگوئی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے۔ فی الحقیقت آسمان نہیں تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگوئی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا

طویل سفر طے کرنا تو تمام حکما تسلیم کرتے ہیں کہ سرعتِ حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ یقین بھی نہ آ سکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موڑ تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعے پرواز کر سکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کبر بائہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرہ نار تو آجکل ایک لفظ بے معنی ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت برصوت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلا واسطہ بنائی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل و نگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج جو ہیں گھنٹوں میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی ایک شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعتِ سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پر کاہ کے برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں۔ وہ قادرِ مطلق اپنے حبیبِ صلعم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا۔ جس سے حضور بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشمِ زون میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل

ہوسکیں؛ شاید اسی لئے واقعہ "اسرار" کا بیان "سبحان الذی" سے شروع فرمایا۔ جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ اپنی گستاخیوں اور ترک تازیوں پر شرمائیں۔

س نہ ہر جائے مرکب تو اں تا ختن
کہ جا ہا سپر باید اندا ختن

بیت المقدس لے جانے کی حکمت

جس ملک میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری اور باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی افزائش اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم صلعم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیائے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیئے گئے۔ جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں۔ ان پر اب بنی اسمعیل کا قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی اُمت ہونیوالی ہے۔ احادیث معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء

علیہ السلام نے سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز پڑھی۔ گویا آپ کو جو سیارت و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا، اس کا نمونہ آپ کو اور آپ کے مقربین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔ آخر آیت میں فرمایا، "اصلی سننے اور دیکھنے والا خدا ہے" یعنی وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اُس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کو سنا۔ اور احوالِ رفیعہ کو دیکھا۔ اور آپ کو آخر معراج شریف میں "بِیْ یُبْهِرِ" والی آنکھ سے وہ آیاتِ عظام دکھلائیں، جو آپ کی استعدادِ کامل اور شانِ رفیع کے مناسب تھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

تہت بالخیر



مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ : مولانا مناظر حسن گیلانی (عکسی گلیزیٹ مع کارڈ بورڈ)
مسلمانوں کے آپس میں فرقہ وارانہ اختلافات پر بہترین تبصرہ " ۵/۵۰"

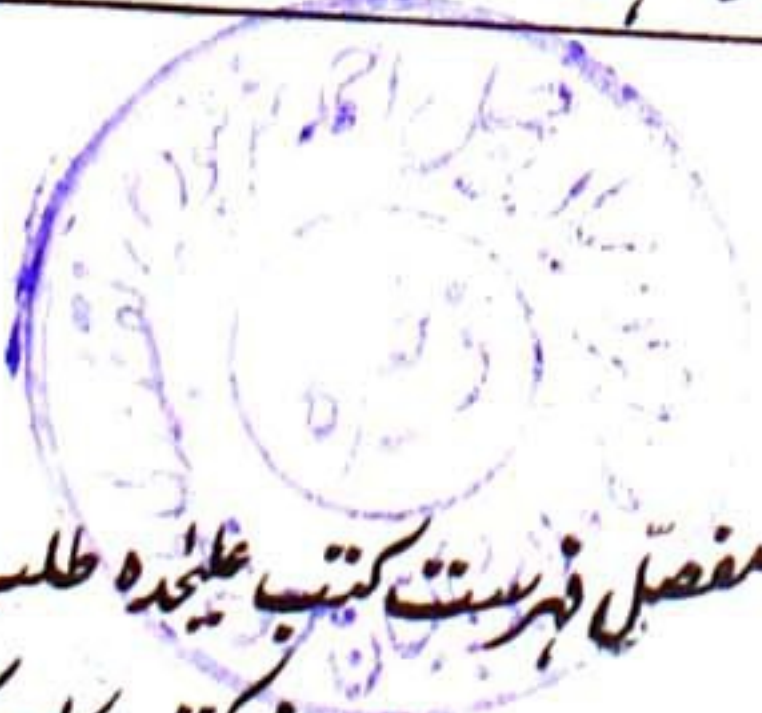
نماز اور اس کے مسائل : مولانا محمد محترم فہیم عثمانی
نماز کے تمام اہم اور ضروری مسائل مع مسنون دعائیں اور جمعہ و عیدین کے خطبات

۲۲/۵۰ : مولانا سید میاں اصغر حسین
شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کی مکمل و مفصل سوانح عمری - مجلد عمدہ

۲۸/- بزم الشرف کے چراغ : پروفیسر احمد سعید ایم اے
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلفاء کا جامع تذکرہ اور ان کے حالات مجلد

۹/۵۰ : مولانا قاری محمد طیب
حدیث رسول کا قرآنی معیار : مولانا قاری محمد طیب
حجیت حدیث کے دلائل، منکرین حدیث کا جواب اور احادیث کی اقسام

۴/۵۰ : شیخ عبدالقادر جیلانی
فتوح الغیب اردو : شیخ عبدالقادر جیلانی
تصوف کی مشہور اور بنیادی کتاب کا سلیس اردو ترجمہ (مکنیکل کاغذ)



مفصل فہرست کتب علیحدہ طلب فرما سکتے ہیں :-
اسلامی کتب کا مرکز

ادارہ اسلامیت ۱۹۰- انارکلی لاہور
فون نمبر ۶۳۲۵۳

آپ کی لائبریری کیلئے چند اہم کتابیں

- مکتوبات نبوی (مع علی فاضل) ترتیب و تفسیر مولانا محمد محبوب مصباحی
- حضرت ابو بکر صدیق کے سرکاری خطوط (مع پین منظر اور نتائج) جلد ۱۸
- ازپروفیسر خورشید احمد فارق (پروفیسر ڈی یو یورسٹی) جلد ۱۵
- حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط (مع پین منظر اور نتائج) جلد ۲۲
- ازپروفیسر خورشید احمد فارق (پروفیسر ڈی یو یورسٹی) جلد ۱۵
- حضرت عثمان غنی کے سرکاری خطوط (مع پین منظر اور نتائج) جلد ۱۵
- شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات (مع پین منظر اور نتائج) جلد ۲۶
- ازپروفیسر فلیق احمد نظامی (پروفیسر ڈی یو یورسٹی علیگڑھ) آئف جلد ۲۶
- علم و اعلماء - از علامہ ابن عربین عبدالبر اندلسی روح
- علم کی فیصلت علامہ کا مقام انکے فرائض اور علمی میں اسلام کا کردار جلد ۲۶
- اسلام کا اقتصادی نظام - از مولانا حفص الرحمن سیوہادی روح
- اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام پر سیر حاصل جلد ۲۶
- حیات شیخ الہند - از مولانا سیماں صغریٰ حسین رحمہ اللہ
- حضرت کی مکمل مفصل سوانح، اور انکے عظیم علمی و سیاسی کارنامے جلد ۱۸
- زبیر اشرف کے چراغ - ازپروفیسر احمد شعیبہ اعظمی
- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مشاہیر خلفاء کا جامع تذکرہ جلد ۲۱
- کیفیت (دلگداز گفتوں) حسین غزلوں پر اتر نظموں کا مجموعہ (جناب مولانا زکی کھٹی کے عارفانہ کلام کا حسین گلہ ریز جو حسن عطا کا بھی آئینہ دار ہے) جلد ۲۰

طلب فرمائیے

ادارہ اسلامیات
۱۹۰ انارکلی ○ لاہور

آپ کی لائبریری کیلئے چند اہم کتابیں

- رحمة القدوس (انتخاب نثری شریف مع شرح) جلد ۱
- احادیث مسائل تصوف و اخلاق اور مسائل فقہیہ سنہ ۱۰۰۰ تا ۱۰۰۰
- قانون وراثت (مفید الوارثین) از مولانا سید صاحب
- میراث و وصیت سبب مفصل کتاب جس میں مسائل فقہیہ بیان کیے گئے ہیں
- ہفتہ ہفتہ الارب (عربی سے فارسی کی سب سے بہتر
- یہ لغت جس کا سبب الجیو کا ترجمہ ہے لائبریری کے لیے اہم کتاب ہے ۲ جلد
- شہید کربلا اور یزید - از مولانا قاری محمد طیب
- سیدنا حضرت حسین کے موقف کی وضاحت اور شہادت کا جواب
- پورہ کے شرعی احکام - از حکیم الامت مولانا اشرف
- پورہ سے متعلق تمام ضروری اور پیش آواز مسائل کی تشریح
- ہدیۃ الصدیق رضی - از مولانا حبیب
- غینۃ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی کی سیر پر مختصر
- اہل القریبہ (اردو ترجمہ)
- اہل حدیث پر علامہ ابن حجر کی مشہور کتاب
- کلمۃ طیبہ مع کلمات طیبہ از
- کلمۃ طیبہ کا قرآن حدیث اور جمیع تفصیلی ثبوت اور
- مسئلہ تقدیر از علامہ شہیر
- تین جلیل القدر علماء کے قلم سے مسئلہ
- مقالات طیبہ : مولانا
- حضرت قاری صاحب کی چار اہم تقریروں کا مفید مجموعہ
- کلیات سعدی فارسی شیخ سعدی
- شیخ سعدی کی ۳۵ نادر کتابوں کا قدیم طبع مجموعہ

ادارہ اسلامیات
۱۹۰ انارکلی ○ لاہور

آپ کی لائبریری کیلئے چند اہم کتابیں

- مکتوبات نبوی (مع علی فاضل) ترتیب و تفسیر مولانا محمد محبوب صاحب
- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکاتیب مجامی، ان کا پس منظر اور نتائج - جلد ۱۸/
- حضرت ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط (مع پس منظر اور نتائج)
- از پروفیسر خورشید احمد فارق (پروفیسر دہلی یونیورسٹی) - جلد ۱۵/
- حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط (مع پس منظر اور نتائج)
- از پروفیسر خورشید احمد فارق (پروفیسر دہلی یونیورسٹی) - جلد ۲۲/
- حضرت عثمان غنی کے سرکاری خطوط (مع پس منظر اور نتائج)
- از پروفیسر خورشید احمد فارق (پروفیسر دہلی یونیورسٹی) - جلد ۱۵/
- شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات (صل فارسی مع اردو ترجمہ و تفسیر)
- از پروفیسر فلیق احمد نظامی (پروفیسر دہلی یونیورسٹی) - جلد ۲۶/
- اعلم واعلم - از علامہ ابن عربین عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ
- علم کی فضیلت، علماء کا مقام، ان کے فرائض اور عیاشی میں اسلام کا کردار - جلد ۲۶/
- اسلام کا اقتصادی نظام - از مولانا حفص الرحمن سیوطی رحمہ اللہ
- اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام پر سر حال مباحث - جلد ۲۶/
- حیات شیخ الہند - از مولانا سید میر حسین رحمہ اللہ
- حضرت کی مکمل و مفصل سوانح، اور ان کے عظیم علمی و سیاسی کارنامے - جلد ۱۸/
- بیہم اشرف کے چراغ - از پروفیسر احمد شعیبہ اعظمی
- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مشاہیر خلفاء کا جامع تذکرہ - جلد ۲۱/
- کیفیت (دلگداز گفتوں، حسین غزلوں اور پراثر نظموں کا مجموعہ)
- جناب مولانا زکی کھٹی کے عارفانہ کلام کا حسین گلدستہ
- حسن عطا کا یہی آئینہ دار ہے

طلب فرمائیے

ادارہ اسلامیات
۱۹۰ انارکلی ○ لاہور

آپ کی لائبریری کیلئے چند اہم کتابیں

- رحمة القدوس (انتخاب نغاری شریفین شرح) - جلد ۱۸/
- احادیث مسائل تصوف و اخلاق اور مسائل فقہیہ سنیہ پر گرانمایہ کتاب
- قانون وراثت (مفید الوارثین) از مولانا سید میر آشا و صیت سب سے مفصل کتاب جس میں مسائل فقہیہ بیان کیے گئے ہیں
- ہنرمیں ہی الارب (عربی سے فارسی کی سب سے بہتر لغت) قاسم الجیو کا ترجمہ ہے لائبریری کے لیے اہم کتاب ہے
- شہید کربلا اور یزید - از مولانا قاری محمد طیب سید ناصر حسین کے مؤقف کی وضاحت اور شہادت کا جواب
- پودہ کے شرعی احکام - از حکیم الامت مولانا اشرف پورہ سے متعلق تمام ضروری اور پیش آنے والے مسائل کی تشریح
- ہدیۃ الصدیق رضی عنہ - از مولانا حبیب غنیہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی عنہ کی سیر پر مختصر
- امة القربہ (اردو ترجمہ)
- اصل حدیث پر علامہ ابن حجر کی مشہور کتاب
- کلمہ طیبہ مع کلمات طیبہ از مولانا طیبہ کا قرآن حدیث اور جمیع تفصیلی ثبوت اور مسائلہ تقدیر از علامہ شہداء
- تین جلیل القدر علماء کے قلم سے منسلک
- مقالات طیبہ: مولانا
- حضرت قاری صاحب کی چار اہم تقریروں کا مفید مجموعہ
- کلیات سعدی فارسی - شیخ سہدی
- شیخ سعدی کی ۳۵ نادر کتابوں کا قدیم طبع مجموعہ

ادارہ اسلامیات
۱۹۰ انارکلی ○ لاہور